ملت کے نگہبان

تحریر

محمد نجم مصطفائی



ناشر

H-28 ارم اپارٹمنٹ گلشن اقبال بلاک 17 کراچی، پاکستان

فون نمبر : 4976535

181

ملت کے نگہبان

تحریر: محمد نجم مصطفائی

ناشر: بزم محبان مصطفیٰ
H-28 ارم اپارٹمنٹ گلشن اقبال بلاک 17 کراچی، پاکستان
فون نمبر: 4976535

تقریظ

پروفیسر غلام عباس ازہری ایم اے اسلامیات

باسمہ تعالیٰ حامداً و مصلیاً

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی مذہبی پیشوا کی تعظیم و توقیر اسی وقت تک قائم و دائم رہ سکتی ہے جب تک اس کے ماننے والوں میں اس کا بے پناہ جذبۂ احترام کارفرما ہو۔ اس کی عظمت و برتری کا سکہ ان کے دلوں پر نہ مٹنے کی حد تک جم چکا ہو۔ اس بھری دنیا میں شاید ہی کوئی بدنصیب انسان ہو جو اپنے مذہبی پیشوا کو قابل تعظیم نہ سمجھتا ہو۔ وہ کونسا مذہب ہے کہ جس کے ماننے والوں نے اپنے پیشوا پر اپنا سب کچھ نثار کردینے کا بلند و بانگ نعرہ نہ لگایا ہو۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ بلند و بانگ نعرے اکثر مشاہدات و تجربات اور عمل و کردار کی دنیا میں زبانی دعوے ثابت ہوئے۔

محترم مصنف نے اس کتاب میں زبانی دعویداروں سے ہٹ کر ایسی عظیم ہستیوں کو تلاش کیا ہے جو قول سے زیادہ عمل کے عادی تھے جنھوں نے اپنے مذہبی پیشوا کی تعظیم و توقیر اور اس کا ادب و احترام صرف زبان کی حد تک نہیں کیا بلکہ عملی طور پر یہ ثابت کردکھایا کہ ان کا معاملہ دوسرے مذہب کے ماننے والوں سے بالکل جداگانہ ہے اور انہی مقدس ہستیوں کے جذبہ عشق نے ایسا پاکیزہ انقلاب برپا کیا کہ اس سے متاثر ہونے والوں کی دنیا ہی بدل گئی اور ایسی دنیا بدلی کہ انھوں نے زمانے کو بدل کر رکھ دیا مگر زمانہ انہیں نہیں بدل سکا۔ اس کتاب میں ایسی ہی پاکیزہ ہستیوں کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن کی مثالی زندگی کے سامنے ہمارے سر عجز و انکساری سے جھک جاتے ہیں اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر جہاں مسلمانوں کے دل اپنے اسلاف کی محبت سے سرشار ہو گئے وہاں مسلمانوں کے درمیان پائی جانے والی بے یقینی کی کیفیت اور فرقہ وارانہ فکر بھی دور ہو گی۔ انشاء اللہ

دعا ہے اللہ تعالیٰ محترم محمد نجم مصطفائی کی اس کاوش کو مقبول بنائے۔ آمین

پروفیسر غلام عباس ازہری

22.4.97

انتساب

زمانے نے اس عالم دنیا میں بڑے بڑے انقلاب برپا ہوتے دیکھے ہیں جس میں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ کر پورے معاشرے کو تہ بالا کر دیا گیا لاکھوں بندگانِ خدا کا خون بہایا گیا سیکڑوں بستیوں کو حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اپنی طاقت کے بل بوتے پر عوام کو اپنے انقلابی نظریات کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا گیا ایسے انقلابات کے ذریعہ قائم ہونے والی حکومتوں نے عوام کے دلوں کے بجائے جسموں پر حکومت کی مگر اسلامی انقلاب کے عظیم داعی، محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انقلاب برپا کیا وہ دنیا کے تمام انقلابوں سے مختلف تھا۔ آپ کے لائے ہوئے انقلاب سے قائم ہونے والی حکومت نے لوگوں کے جسموں پر نہیں دلوں پر حکومت کی۔ میں اپنی کتاب کا ثواب ان مسلمانوں کو نذر کرتا ہوں جو یہ جاننا چاہیں گے کہ

اس عظیم اسلامی انقلاب میں ہمارے اسلاف نے کیا کارنامے انجام دیئے۔ اس دین کو ہم تک پہنچانے کے لئے ان کی کیا خدمات تھیں۔ جن کی پاکیزہ اور پاک صاف زندگی کو دیکھ کر ہمارا ضمیر ہم سے یہ سوال کرتا ہے کیا اسلام کے نام لیوا مسلمانوں میں

ایسی برگزیدہ ہستیاں بھی گزری ہیں کہ جن کی اسلامی خدمات کو دیکھ کر اور اپنی موجودہ بد اعمالیوں اور بد عملیوں کو دیکھ کر ہمیں یقین نہیں آتا کہ ہم ایسی برگزیدہ ہستیوں کے ماننے والے ہیں۔

میں اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں محترم بھائی وسیم الدین (لاہور) کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں ہر طرح سے تعاون فرمایا اور محترم الحاج محمد طفیل بھٹی صاحب (لاہور) کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مذکورہ کتاب کی اشاعت میں راہیں ہموار کیں۔ میں اپنی اس کتاب کا ثواب روز محشر تک ان دونوں حضرات کی نذر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس تعاون کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

آپ کا بھائی

محمد نجم مصطفائی

تاثرات

فیاض الدین احمد صدیقی

جنرل سیکریٹری بزم محبان مصطفےٰ

گلشن اقبال کراچی فون نمبر 4976535

فرقہ واریت اہل ایمان کیلئے یقیناً ناسور سے کم نہیں۔ یہ ایسا ناسور ہے جو امت واحدہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کئی حصوں میں بانٹ دیتا ہے اس طرح امت واحدہ اپنی اجتماعی قوت کو گنوا دیتی ہے۔ بد قسمتی سے آج مسلمانوں کے ساتھ یہی المیہ درپیش ہے۔ مسلمان آج گروہ بندی اور فرقہ بندی کا شکار ہو کر کئی حصوں میں بٹ چکے ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ کسی طرح مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوں۔

محترم محمد نجم مصطفائی نے امت رسول کو درپیش اس المیہ کو محسوس کرتے ہوئے اور امت رسول کو فرقہ واریت سے نجات دلانے کیلئے ہماری بزم کی خواہش پر یہ مقالہ تحریر فرمایا ہے جو ہماری بزم کیلئے کسی سعادت سے کم نہیں۔ موصوف اس سے قبل بھی چند کامیاب ترین کتابیں لکھ چکے ہیں جو پاکستان کے مختلف شہروں سے شائع ہو چکی ہیں۔ بزم کے تمام عہدیداران محترم محمد نجم مصطفائی صاحب کے بہت ممنون و مشکور ہیں کہ انہوں نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ہمیں یہ مضمون ارسال کیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس پہلی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلان نبوت کے بعد تیرہ برس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اور زندگی کے آخری دس سال مدینہ منورہ میں گزارے، تیرہ سالہ مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کے ظلم و ستم اور مصائب و آلام کا بھرپور سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اسلام کی ابتدائی شاندار کامیابی نے کفر و باطل کے ایوانوں میں ایک کہرام برپا کردیا تھا اور انہوں نے حق و صداقت کے علمبردار سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز حق دبانے اور اسلام کے ابھرتے ہوئے آفتاب کی کرنوں کا راستہ روکنے کے لئے ہر طرح سے کوششیں کیں۔

اُن کا یہ خیال تھا کہ حق کی اِن تابندہ کرنوں کی یلغار سے باطل کے اندھیروں کو مٹنے سے بچایا جاسکے گا۔ ان کی یہ خوش فہمی بھی تھی کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر و تشدد سے اسلام کی تحریک کو موت کی نیند سلادیں گے اور یہ گنتی کے چند مسلمان اس نئے دین سے دل برداشتہ ہو کر اور ایک خدا کو چھوڑ کر پھر اپنے پرانے معبودوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ اِن تمام تکالیف کے باوجود اسلام کو روز افزوں کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم میں کسی قسم کی لچک پیدا نہ ہوئی اور پورے جوش و خروش سے تبلیغ دین کا حق ادا کرتے رہے۔ حق و باطل، نور و ظلمت، نیکی اور بدی کی قوتوں کی اس کشمکش میں آپ نے حق و صداقت کے پرچم کو بلند کئے رکھا، اس دوران کفار مکہ نے مسلمانوں کو دولت اور اقتدار کی پیش کش کی مگر مسلمانوں نے دینِ اسلام کی راہ میں حائل ہونے والی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

آخر کار کفارِ مکّہ نے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کردیں۔ خود

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جبر و تشدد کیا گیا۔ آپ کی راہوں میں کانٹے بچھائے جاتے۔ راہ چلتے تو مٹی اور راکھ آپ پر پھینک دیتے۔ نماز پڑھتے تو سجدے کی حالت میں آپ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دیتے، مسلسل تین سال تک خاندانِ بنو ہاشم کے ہمراہ آپ کو ایک گھاٹی میں محصور کردیا اور نکلنے کے تمام راستے بند کردیئے جہاں درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کیا۔ طائف کے مقام پر پتھروں کی بارش آپ پر کردی گئی جس سے سارا جسم لہو لہان ہوگیا۔ وہ کونسا ظلم ہے جو کفار مکہ نے آپ کے ساتھ نہ کیا حتیٰ کہ آپ کو شہید کردینے کے پروگرام کو بھی آخری شکل دے دی گئی۔ ان نامساعد حالات میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

مصائب و آلام سے بھرپور تیرہ سالہ زندگی گزارنے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو کفار و مشرکین نے یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ لات و منات اور عزیٰ وہبل جن کی جھوٹی خدائی کا ڈنکا پورے عرب میں صدیوں سے بج رہا تھا انہیں چھوڑ کر ایک خدا وند قدوس کی بارگاہ صمدیت میں سر بسجود ہونا۔ کفار و مشرکین کے لئے ہرگز قابل قبول نہ تھا۔ سارا مکہ فرطِ غیظ و غضب سے آتشِ نمرود کی طرح بھڑک اٹھا۔ انہوں نے مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے اندھے اور بہرے بتوں کی عظمت وجلال کی قسم کھا کر کہا "وہ ان مسلمانوں کو ایسی اذیت ناک سزادیں گے کہ ان کا دماغ درست ہوجائے گا اور وہ مجبور ہو کر ایک مرتبہ پھر اپنے باپ دادا کے معبودوں کی پوجا کرنے لگیں گے قریشِ مکہ مسلمانوں کے خاتمے کے لئے ہمہ وقت کمر بستہ ہوچکے تھے۔ اور اس موقعہ کی تلاش میں تھے کہ مسلمانوں کے خلاف انتقامی کاروائی کی جائے۔

مدینہ منورہ کی پر سکون زندگی ان کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ کفارِ مکہ کی بگڑی ہوئی ذہنیت اور انتقامی کاروائی کا علم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو

آپ نے عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بارہ افراد کا ایک قافلہ نخلہ کی جانب روانہ کیا تاکہ دشمنوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیا جاسکے اور ایک خط دیا جس میں یہ تحریر تھا کہ نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔

اتفاق سے اس مہم میں جب مسلمان بطن نخلہ پہنچے تو وہاں قریش مکہ کے ایک تجارتی قافلے کو موجود پایا۔ اس قافلے میں عمرو بن الحضری، حکم بن کیسان، مخزومی، نوفل بن عبد اللہ مخزومی اور عثمان بن عبد اللہ مخزومی جیسے اسلام دشمن بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر سہم گئے۔ مسلمانوں نے سوچا کہ انہیں اس طرح جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت واقد بن عبد اللہ نے تاک کر ایک تیر مارا جس نے عمرو بن حضری کا کام تمام کردیا اور دوسرے مجاہدین نے مشرکین مکہ پر حملہ کردیا اور عثمان بن عبد اللہ مخزومی اور حکم بن کیسان مخزومی کو گرفتار کرلیا۔ نوفل بن عبد اللہ بھاگ گیا۔ سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا۔

حضرت عبد اللہ بن جحش دو قیدیوں اور لدے ہوئے اونٹوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض ہوئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لڑنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ چاندی فی کس لے کر انہیں آزاد کردیا۔ ان میں حکم بن کیسان نے اسلام قبول کرلیا۔ اور بقیہ زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رہ کر گزارنے کا عزم کیا۔ جب کہ دوسرا قیدی مکہ پہنچا اور حالت کفر میں اس کا انتقال ہوا۔

کفار مکہ جو پہلے ہی سے مسلمانوں کے خلاف انتقامی کاروائیوں میں مصروف تھے۔ عمرو بن الحضری کی موت کی خبر سن کر مسلمانوں کے خاتمہ کے لئے ایک منظم منصوبہ تیار کرلیا۔ انہیں دنوں کفار مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ابو سفیان کی قیادت میں ملک

شام سے مکہ آرہا تھا جب یہ تجارتی قافلہ مدینے کے قریب پہنچا تو ابوسفیان کو شک ہوا کہ مسلمان اس قافلے کو روکیں گے۔ اس نے اپنے ایک سوار کو جس کا نام ضمضم تھا ابوجہل کے پاس مکہ روانہ کردیا وہ برق رفتاری کے ساتھ مکہ پہنچا اس نے اپنے اونٹ کے ناک اور کان کاٹ ڈالے اور اپنے کجاوے کو اوندھا کردیا اور اپنی قمیض کو پھاڑ ڈالا۔ اور چیخ چیخ کر پکارنے لگا اے مکہ والو اپنے قافلے کو بچاؤ ابوسفیان پر حملہ کرنے کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ نے چڑھائی کردی ہے۔ اس سوار کا اعلان سنتے ہی اہل مکہ نے جنگ کی تیاری شروع کردی اور ان میں جوش و خروش کا ایک عجیب عالم پیدا ہوگیا۔ قریش کے بڑے بڑے رئیس عام لوگوں کو جنگ پر آمادہ کرنے لگے۔

سہیل بن عمرو جو مکہ کا رئیس اعظم تھا وہ لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکاتا "کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یثرب کے بے دینوں کو اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ تمہارے مال لوٹ کرلے جائیں۔ جس شخص کو دولت کی ضرورت ہے تو میری دولت اس کے لئے حاضر ہے اور جس شخص کو اسلحہ کی ضرورت ہے تو وہ میرے اسلحہ خانہ سے اسلحہ لے سکتا ہے"۔ ابوجہل اس سنہری موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اس نے مسلمانوں کے خاتمے کا مکمل ارادہ کرلیا تھا۔

اسی دوران ابوسفیان راستہ بدل کر اپنے تجارتی قافلے کے ہمراہ مکہ پہنچ گیا اب جنگ کی ضرورت نہ تھی مگر کفارِ مکہ اس موقعہ کو ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ یہ ہرگز گوارہ نہیں کرسکتے تھے کہ ان کے جیتے جی کوئی ایک خدا کی عبادت کرے اور کوئی ان کے لکڑی اور پتھر سے گھڑے ہوئے اندھے اور بہرے بتوں کو اپنا خدا ماننے سے انکار کردے۔ چنانچہ کفار مکہ کا لشکر جرار مٹھی بھر مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ ختم کردینے کے ارادے سے بڑے کروفر کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا۔ ایک ہزار کے لگ بھگ مسلح افراد کا یہ لشکر جرار جس میں چھ سو زرہ پوش، سات سو اونٹ شامل

تھے مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے مشورے طلب کئے مسلمانوں کو اپنی حالت اور دشمنوں کی تیاری کا حال معلوم تھا۔ صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی یا رسول اللہ آپ ارشاد فرمائیں تو اس سمندر میں آپ کے ساتھ داخل ہونے کو تیار ہو جائیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ جنگ کریں ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ حضرت مقدار بن اسود عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنھوں نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا جاؤ تم اور تمہارا رب جنگ کرے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کے غلام ہیں ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرح نثار ہونے کو تیار ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم ارشاد فرمایا اس وقت مسلمانوں کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کسی کے پاس تلوار ہے تو ڈھال نہیں۔ تیر ہے تو کمان نہیں، کل دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ مگر جذبہ جہاد کا یہ عالم تھا کہ چھوٹا ہو یا بڑا کمزور ہو یا توانا ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اسلام کا نام روز محشر تک قائم و دائم رہے۔ اپنی ہستی اگر مٹتی ہے تو مٹ جائے مگر اسلام ہرگز نہ مٹے۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی کا حکم دیا۔ صف بندی ہوئی بوڑھے اور جوان سب ہی جذبہ جہاد سے سرشار صف میں کھڑے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم صف کا معائنہ فرما رہے ہیں۔ دیکھا کہ صف کے آخر میں دو مدینے کے منے بھی کھڑے ہوئے ہیں۔ جن کے نام معوذ اور معاذ ہیں۔ جو دونوں بھائی ہیں جن کے دل بھی جوش جہاد سے سرشار ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا بیٹا

تم بہت چھوٹے ہو اس بچے نے اپنے پنجوں پر کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں چھوٹا تو نہیں، واقعی اس نے سچ کہا جس کے کندھے پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہو وہ ہرگز چھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اس کی یہ ادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آگئی، اور اسے لشکر اسلام میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی اس کے چھوٹے بھائی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم تو بہت ہی چھوٹے ہو، وہ عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھائی عمر میں مجھ سے بڑا ضرور ہے، مگر طاقت میں میرا ہم پلہ نہیں اگر آپ چاہیں تو کشتی کرا کے دیکھ لیں۔ چنانچہ یہ بات بھی منظور ہو گئی دونوں بھائی مد مقابل ہوئے، چھوٹے نے بڑے کی آنکھوں میں جھانکا آنکھوں آنکھوں میں اشارہ ہوا اور چشم فلک نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو زیر کر لیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بھائی کا دل بھی نہ توڑا اور اسے بھی لشکرِ اسلام میں شامل کر لیا۔ اللہ تعالٰی نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لئے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل کو اس دنیا میں بھیجا ان میں تین سو تیرہ رسول تھے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کل صحابہ کرام کی تعداد بھی تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی جن میں صرف تین سو تیرہ صحابہ ایسے تھے جنھیں اس جنگ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی مکہ سے ہجرت فرمانے کے دوسرے سال یعنی ۲ ہجری م ۱۲ رمضان کو یہ اسلامی لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اور مقام بدر پہنچا، بدر کا میدان مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، یہ ریتیلا میدان بلند اور سنگلاخ چٹانوں کے دامن میں واقع ہے۔

حق و باطل کی فوجیں مقام بدر پر موجود ہیں۔ ایک طرف تین گنا بڑا لشکر جرار ہے جو سامان جنگ سے مسلح ہے۔ مال و دولت کا انبار ہے۔ دوسری طرف تین سو تیرہ مسلمان ہیں جو سولہ دن سے روزہ سے ہیں۔ ایک تو تعداد میں کمی دوسرا سامان

جنگ ساتھ نہیں۔ خون کی پیاسی تلواریں عنقریب نکلنے والی ہیں۔ ایک طرف حق کے پرستار ہیں تو دوسری طرف کفر و ظلمت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے۔ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو دوسری طرف ان کے حقیقی چچا عباس، اور چچا زاد بھائی عقیل اور داماد ابو العاص بن ربیعہ ہیں، ایک طرف حضرت ابوکر صدیق ہیں تو دوسری طرف ان کا بیٹا عبد الرحمن ہے۔ ایک طرف حضرت عمر فاروق ہیں، تو دوسری طرف ان کا حقیقی ماموں ہے۔ ایک طرف حضرت ابو حذیفہ ہیں تو دوسری طرف ان کے والد عتبہ بن ربیعہ ہیں، ایک طرف حضرت ابو عبیدہ ہیں تو دوسری طرف ان کے والد جراح ہیں، حضرت حکیم بن سعید ایک طرف تو ان کا بھائی عبید بن سعید دوسری طرف، غرض یہ کہ باپ، بیٹے، بھائی اور خونی رشتے سب کے سب فراموش کردیئے گئے اور ایک دوسرے کے مدِ مقابل آگئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کی طرف دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ بارگاہ خداوندی میں بلند کردیئے اور اسی حالت میں اپنے رب کے حضور دعائیں مانگنا شروع کردیں۔ محویت کے اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں سے چادر مبارکہ نیچے گرگئی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تیزی سے آگے آئے اور چادر اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر ڈال دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی اے اللہ کے پیارے نبی آپ نے واسطہ دینے میں انتہا کردی، یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ اسی وقت حضرت جبرائیل امین آیتِ قرآنی لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور ارشاد خداوندی ہوا۔

فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملکتہ مردفین

ترجمہ: تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزاروں فرشتوں کی قطار سے۔ (سورہ انفال ۹)

اگرچہ اللہ جل مجدہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمالیا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدیت کاملہ کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر اپنے رب کے حضور دعا کی۔

اے اللہ اگر یہ کافر مسلمانوں کے اس گروہ پر غالب آگئے تو شرک غالب آجائے گا اور پھر تیرا دین قائم نہیں ہوسکے گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گریہ و زاری عجز و انکساری نے اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کی دستگیری کی طرف مائل کردیا اور نوری فرشتوں کو حکم دیا کہ آج آسمان دنیا کی رفعتوں سے نیچے آجاؤ ذکر و فکر کی محفلوں کو کچھ دیر کے لئے خیر باد کہہ دو اور مقام بدر کی اس وادی کا رخ کرو جہاں میرا محبوب پیغمبر اپنے جانثاروں کے ہمراہ میرے نام کو بلند کرنے کے لئے سربکف اور کفن بدوش کفر کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہے۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم نازنین آنسوؤں سے پر تھی اور اشکوں کے موتی اپنے رب کے حضور زمین پر سربسجود ہونے ہی والے تھے کہ ایک مرتبہ پھر جبرائیل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوگئے ارشاد خدوندی ہوا۔

سالقی فی قلوب الذین کفر و االرعب فاضر بوا فوق الاعناق

ترجمہ: عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو۔

(سورہ انفال ۱۲)

جنگ سے ایک دن قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں کافروں کے بڑے بڑے سرداروں کے نام لیکر ان کی قتل گاہ کو نشان زد کردیا۔ یہ خبر لشکر کفار تک بھی جا پہنچی، ابوجہل نے جب یہ سنا کہ اس کا نام بھی قتل ہونے والوں میں

شامل ہے تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا تم اجازت دو تو مجھے مکہ میں ایک ضروری کام ہے اسے انجام دے آؤں، ساتھیوں نے اسے اجازت نہ دی چند سرداروں نے علیحدگی میں لے جا کر پوچھا کہ کیا معاملہ ہے ابو جہل نے کہا سنا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میدان بدر میں کچھ جگہوں پر نشان لگائے ہیں اور یہ کہا ہے کہ یہاں فلاں فلاں شخص کل قتل ہوگا۔ باوجود اختلاف کے تم سب جانتے ہو کہ ہوتا وہی ہے جو یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے۔ میں نے یہ خیال کیا کہ یہاں سے چلا جاؤں، مگر ابو جہل کو کسی نے جانے کی اجازت نہ دی

۱۷ رمضان المبارک کی صبح ہوئی جمعہ کا مبارک دن تھا تمام مسلمان ہشاش بشاش تھے جنگ کی مکمل تیاری کرلی گئی۔ کفار اپنے کندھوں پر لات اور عزٰی کا بت اٹھائے نعرہ لگاتے کہ ہمارے پاس عزٰی ہے تمھارے پاس کوئی عزٰی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم کہو کہ ہمارا مددگار اور مولیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ تمھارا کوئی مولیٰ اور مدد گار نہیں، کچھ ہی دیر کے بعد حق و باطل کا معرکہ شروع ہوگیا۔ خون کے پیاسے کفار مکہ بے سروسامان صحابہ کرام کے مد مقابل ہوگئے۔

صحابہ کرام بڑی بے جگری سے لڑے ایک صحابی حضرت عکاشہ الاسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار جہاد کے دوران ٹوٹ گئی دوڑے دوڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول میری تلوار ٹوٹ گئی ہے اب میں کس سے لڑوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لکڑی تھی وہی اٹھا کر دے دی اور فرمایا اے عکاشہ اس سے دشمن کے ساتھ جنگ کر، جب عکاشہ نے اسے پکڑ کر لہرایا تو وہ ٹہنی تلوار بن گئی جو کافی لمبی تھی جس کا لوہا بھی بڑا سخت تھا۔

جنگ بدر کے ایک اور مجاہد حضرت سلمہ بن اسلم کی تلوار بھی دوران جنگ ٹوٹ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی کھجور کی ایک ٹہنی دے دی اور فرمایا اس سے دشمن پر وار کرو انہوں نے جب اس شاخ کو ہاتھ میں لیا تو وہ خار دار تلوار

بن گئی جنگ کے اختتام تک وہ دشمن پر حملہ کرتے رہے اور انہیں موت کے گھاٹ اتارتے رہے یہ تلوار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے تک ان کی شہادت کے دن تک ان کے پاس رہی۔

دوران جنگ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بازو کٹ گیا اور کندھے سے پشت کے پیچھے لٹک گیا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اسے پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچ لیا اور وہ تن سے جدا ہوگیا جب جنگ ختم ہوئی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنا کٹا ہوا بازو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن اس پر لگایا تو وہ کٹا ہوا بازو کندھے سے جڑ گیا۔

(سبل الہدیٰ جلد ۴ صفحہ ۷۸ - ۷۷)

دوران جنگ حضرت عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ میں تیر لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی اور سارا ڈھیلا ان کے رخسار پر بہنے لگا۔ لوگوں نے ارادہ کیا کہ اس کو کاٹ کر الگ کردیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ کو اپنے پاس بلایا اور اپنے دست مبارک سے اس بہتے ہوئے ڈھیلے کو واپس آنکھ میں ڈال دیا اور اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کونسی آنکھ پھوٹی تھی۔ یعنی آنکھ بالکل درست ہوگئی۔

الغرض صحابہ کرام نے جرات و بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ چند ہی لمحوں میں کافروں کے بڑے بڑے سردار واصل جہنم کردیئے گئے۔ لشکر اسلام کے دونوں ننھے مجاہدوں حضرت معوذ اور معاذ نے ابوجہل پر حملہ کردیا اور اسے قتل کردیا۔ اس طرح اس کی موت بچوں کے ہاتھوں ہوئی۔ ابوجہل کے قتل ہوتے ہی کفار مکہ کے پاؤں اکھڑ گئے اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے جن میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور ولید جیسے سرکش سردار بھی شامل تھے۔ چودہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔

شان الٰہی دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کافر کی قتل گاہ بتائی تھی

اس کافر کی لاش ٹھیک اسی جگہ پائی گئی۔

(ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف جلد دوئم صفحہ ۳۶۴، مسلم جلد دوئم صفحہ ۱۰۲)

کافروں کے ستر افراد قیدی بنالئے گئے باقی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کا لشکر اتار دیا پہلے ایک ہزار پھر تین ہزار اور آخر میں پانچ ہزار ہوگئے۔ جب گھمسان کی جنگ ہوئی تو فرشتے کسی کو نظر نہیں آتے تھے مگر ان کے ضرب و حرب کے نشان ضرور نظر آتے تھے۔ صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ دوران جنگ جب ہم کسی کافر سے نبرد آزما ہوتے تو ادہر ہم ہاتھ اٹھاتے ادہر اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا تھا ہمیں سر کاٹنے والا نظر نہیں آتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سر کاٹنے والے اللہ کے فرشتے تھے جو تمہاری مدد کو آئے ہوئے تھے"۔ ۱۷ رمضان کو ہونے والے حق و باطل کے معرکہ میں فیصلہ ہوچکا اور مسلمانوں کو شاندار فتح ہوئی، کفار و مشرکین کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ کفار کی جڑیں کٹ کر رہ گئیں مکہ کے گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور مسلمان پورے عرب میں ایک بھرپور قوت کے طور پر نمودار ہوگئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی لاش نظر آتی آپ اسے دفن کرا دیتے، جنگ بدر میں قتل ہونے والے کفار چونکہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور سب کو الگ الگ دفن کرنا ایک دشوار عمل تھا، چنانچہ ان سب کو ایک ہی گڑھے میں ڈالنے کا حکم دیا صحابہ کرام تمام لاشوں کو گھسیٹ کر ایک کنویں میں ڈالتے گئے پھر اسے مٹی سے ڈھانپ دیا گیا۔

حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول بھی تھا کہ جب جنگ میں فتح یاب ہوتے تو تین دن تک وہاں قیام فرماتے۔ میدان بدر میں بھی آپ نے تین دن تک قیام فرمایا، اس دوران آپ نے شہدائے بدر کی تدفین فرمائی۔ پھر آپ ناقہ پر

سوار ہو کر چل دیئے ۔ صحابہ کرام پیچھے پیچھے روانہ ہوئے ۔ رات کا وقت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چل کر اس کنویں کے پاس آئے جس میں قریش مکہ کی لاشیں ڈال دی گئی تھیں آپ کنویں کی منڈیر پر کھڑے ہو کر مردوں سے مخاطب ہوئے ۔

یا ابوجہل یا امیہ بن خلف یا عتبہ بن ربیعہ یا شیبہ بن ربیعہ ---

اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے تو کیا آج تم مسرور نہ ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا تھا کیا اس وعدہ کو تم نے سچا پایا۔ میرے ساتھ تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا میں نے اسے سچا پایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ انہیں مرے ہوئے تین دن گزر گئے ہیں اور آپ ان سے خطاب فرما رہے ہیں۔ جو بے جان لاشے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اے عمر قسم خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے ۔ (بخاری کتاب المغازی جلد اول صفحہ ۱۸۳ سبل الہدی جلد چہارم صفحہ ۸۳)

مسلمانو ! یہاں معلوم ہوا کہ مردے آواز سنتے ہیں اور مردوں کو پکارنا سنت رسول بھی ہے۔ آج کے اس پر فتن دور میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مردہ آواز سن نہیں سکتے ان کا یہ عقیدہ قرآن مجید کی اُس آیت کریمہ کی روشنی میں ہے جس میں اللہ تعالی نے اپنے پیارے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعآء اذا ولوا مدبرین

(سورہ الروم ۵۲)

ترجمہ : تم مردوں کو نہیں سناتے اور بہروں کو پکار، نا سناؤ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں۔ اس آیت کریمہ میں الموتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں۔ کفر و شرک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جن کی عقل و فراست کے چراغ بجھ گئے ہیں۔

جنھوں نے اپنے کانوں میں تعصب کی انگلیاں ٹھونس رکھی ہیں، جب ان کو توحید کی طرف بلایا گیا اور نہایت دل نشین انداز سے دعوتِ حق دی گئی تو یہ اپنے کفر پر اڑے رہے جن کے کان حق سننے سے بہرے اور دل مردہ ہوگئے اور مردہ بھی ایسے جو پیٹھ دے کر پھر گئے۔

اس آیت مبارکہ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مردہ سنتے نہیں۔ یہاں مردوں سے مراد کفار و مشرکین ہیں جو دنیاوی زندگی تو رکھتے ہیں چلتے پھرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں، ظاہری طور پر زندہ ہیں لیکن حقیقت میں یہی لوگ مردہ ہیں جن میں غور و فکر کی صلاحیت دم توڑ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اے میرے محبوب نبی کفار و مشرکین کی اس بے حسی پر آپ رنجیدہ بالکل نہ ہوں ان کے دل مردہ ہوچکے ہیں اور ان کے کانوں سے حق سننے کی طاقت دم توڑ چکی ہے۔ آپ نے تبلیغِ دین کا حق مکمل ادا کردیا ہے اگر یہ تلاشِ حق کے متلاشی نہ ہوں تو پھر یہ ان کی مرضی۔ اس آیت کریمہ میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ جو مردے سنتے نہیں اور جو بہرے ہیں وہ کافر اور مشرک ہیں نبی یا ولی یا کوئی مومن مسلمان ہرگز نہیں۔

یہ آیت کریمہ محبوبانِ خدا کے لئے ہرگز نہیں۔ مومنین بعد انتقال کے سنتے بھی ہیں اور تصرف بھی فرماتے ہیں۔

امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست دفن کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحبِ مزار کو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

علامہ ابن کثیر اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

میت اپنی زیارت کرنے والے کو پہچانتی بھی ہے اور خوش بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح وہابی ابن قیم فرماتے ہیں کہ

میت کی زیارت کے لئے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔

(کتاب الروح صفحہ ۵)

دیوبند مکتبہ فکر کے علامہ انور شاہ کشمیری ایک حدیث نقل فرماتے ہیں جب کوئی شخص میت کو سلام کہتا ہے تو وہ اسے اس سلام کا جواب دیتا ہے۔ اگر دنیا میں وہ اس کو پہچانتا تھا تو اس وقت بھی اسے پہچان لیتا ہے۔ (فیض الباری جلد دوئم صفحہ ۴۶۷)

غور فرمائیے! عام مسلمانوں کی برزخی کا یہ عالم ہے کہ وہ مرنے کے بعد اپنی زیارت کے لئے آنے والوں کو پہچانتے بھی ہیں تو خوش بھی ہوتے ہیں۔ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں تو اپنے آنے والوں کی آمد کا علم بھی رکھتے ہیں ذرا سوچئے اُن حضرات قدسیہ کی برزخی کا کیا عالم ہوگا جو اپنی جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کر کے شہادت کا مرتبہ پاتے ہیں یا جو مقام ولایت سے سرفراز کئے گئے یا جنھیں نبوت کا تاج پہنایا گیا۔ میدان جہاد میں قتل ہونے اور نبی کے عشق میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے مسلمان اگرچہ دنیا والوں کی بے بصیرت نظروں میں مرجاتے ہیں جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔ مگر اسلام میں وہ حیات ابدی پاجاتے ہیں۔ اللہ

جَلَّ مَجْدُہٗ نے قرآن مجید میں دوٹوک لفظوں میں ارشاد فرمایا۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

(آل عمران ۱۶۹)

ترجمہ : اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہر گز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اس حقیقت کی وضاحت کردی گئی ہے کہ خبردار اپنی زبانوں سے ہر گز نہ کہنا کہ شہید مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ شہداء کی زندگی کی حقیقت ہمارے فہم و ادراک سے بالا تر ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم شہدا کو زندہ مانتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے رب نے انہیں زندہ ماننے کا حکم دیا اور انہیں مردہ کہنے اور انہیں مردہ خیال کرنے سے تاکیداً منع فرمایا۔

صاحبِ تفسیرِ کبیر ارشاد فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے گئی اس ملک کے بادشاہ نے انہیں گرفتار کرلیا اور انہیں اپنے کافرانہ دین میں شامل ہونے کا حکم دیا لیکن مسلمانوں نے اسلام چھوڑنے سے منع کردیا۔ تو اس ظالم و جابر بادشاہ نے ایک کو چھوڑ کر باقی سب کو شہید کردیا پھر اس اکیلے کو اپنے باطل دین میں داخل کرنے کی کوشش اور مال و دولت کی پیشکش کرتا رہا کہ مال و دولت لے لے اور اسلام چھوڑ دے۔ مگر اسلام کے اس سپاہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار امتی نے بالکل انکار کردیا۔

حتیٰ کہ اس ظالم حکمران نے اس مسلمان مجاہد کو ایک حسین و جمیل لڑکی کے ساتھ ایک مکان میں بند کردیا تاکہ یہ مسلمان لڑکی کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر اسلام کو چھوڑ دے مگر اس ظالم کو کیا معلوم جو آنکھ جلوہ رسول ﷺ سے سرفراز ہوچکی ہو وہ دنیا کے حسن کو کہاں خاطر میں لائے گی۔ اس مردِ مومن نے قرآن پاک کی تلاوت شروع

کردی۔ وہ دن بھر عبادت کرتا اور رات بھر قرآن پاک کی تلاوت کرتا اس طرح چالیس دن گزر گئے ایک مرتبہ جب تلاوت کے دوران اس مجاہد کی زبان سے "محمد رسول اللہ" کے دلکش الفاظ نکلے تو لڑکی رونے لگی اور اس کا مردہ ضمیر زندہ ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اور مسلمان مجاہد سے کہنے لگی اب ہمارا یہاں رہنا مناسب نہیں آؤ اب ہم دونوں یہاں سے نکل جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غلام اس لڑکی کو ہمراہ لے کر بسم اللہ پڑھ کر اور درودِ پاک کا ورد کرتا ہوا نکلا تو دروازہ پر لگے ہوئے تالے خود بخود ٹوٹتے گئے اور دروازے کھلتے گئے جب بہت دور جا نکلے تو فجر کا وقت ہو چکا تھا کہ انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں اور ہنہنانے کی آوازیں سنیں، انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار ہیں اور یہ سوار نوجوان کے وہ ساتھی تھے جن کو ظالم بادشاہ نے چالیس دن پہلے شہید کرا دیا تھا۔

(ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۳۵۱، نزہت المجالس جلد اول صفحہ ۱۹۵)

حضرت فاطمہ الخزاعی فرماتی ہیں۔ کہ میں نے سیدہ الشہدہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی اور عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا السلام علیکم میں نے ان کی آواز سنی جواب دیا وعلیکم السلام (ملاحظہ ہو خصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۲۲۰)

حضرت عمیر بن الحباب اسلمی فرماتے ہیں کہ مجھے اور میرے آٹھ ساتھیوں کو بنی امیہ کے دورِ خلافت کے زمانے میں رومیوں نے قید کر لیا۔ رومیوں کے سردار نے ہمیں اسلام چھوڑنے اور قتل کرنے کو کہا۔ مگر ہم نے اسلام نہ چھوڑا، اس ظالم سردار نے میرے آٹھ ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ اور مجھے ایک رومی سردار اپنے گھر لے گیا اور اپنی حسین و جمیل جواں سال لڑکی کو بلایا اور کہا یہ حسن و جمال کا پیکر میری بیٹی ہے اگر تو اسلام کو چھوڑ دے اور میرے دین کو اختیار کر لے تو میں تیرا

نکاح اس سے کردوں گا۔ حضرت عمیر بن الحباب فرمانے لگے میں تیری بیٹی کی خاطر اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک رات اس لڑکی نے مجھے اپنے باغ میں بلایا اور کہا کہ تو میرے باپ کی بات کیوں نہیں مان لیتا۔ بتاؤ تمھیں میرے پاس رہنا ہے یا اپنے وطن جانا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس لڑکی نے مجھے کچھ زادِ راہ دے کر محل سے نکال دیا اور تین دن تک چلتا رہا کہ اچانک مجھے میرے وہ آٹھ ساتھی گھوڑوں پر سوار ملے۔ میں نے ان سے کہا تم تو شہید ہو چکے تھے انہوں نے جواب دیا ہاں لیکن ہم اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کے حکم سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے جنازے میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں۔

(ملاحظہ ہو شرح الصدور صفحہ ۸۹ امام جلال الدین سیوطی)

تقریباً تیرہ سو سال پہلے ملک شام کی ایک سر سبز پہاڑ کی وادی میں تین بھائی رہا کرتے تھے۔ جن میں جذبہ شوق شہادت کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ جو تلواروں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے جن کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح یہ زندگی دین اسلام کی سربلندی اور بقاء کے لئے راہ خدا میں قربان کردی جائے۔ جس عمر میں عام طور پر لوگ دنیاوی مال و متاع کے حصول اور جوانی کی لذتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس عمر میں یہ نوجوان دین حق کی خاطر گردن کٹانے کی آرزو رکھتے تھے ایک دن اسی جذبے سے سرشار ہو کر یہ تینوں بھائی سر پر کفن باندھ کر گھر سے نکل پڑے اپنی منزل کی تلاش میں رات دن چلتے رہے لیکن انہیں اپنی منزل کہیں بھی نظر نہیں آئی۔

آخر ایک دن شب و روز کے تھکے ماندے یہ تینوں بھائی ایک پہاڑی کے دامن میں پناہ گاہ میں پہنچے تاکہ کچھ دیر آرام کیا جائے۔ ابھی اپنا سامانِ سفر ایک طرف رکھا ہی تھا کہ اس ویران چٹان پر کہیں سے اذان کی آواز سنائی دی۔ چھوٹے

بھائی نے بڑے بھائی سے پوچھا کہ اس ویران کوہستانی علاقے میں اذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے اور یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ بڑے بھائی نے پر جوش لہجے میں جواب دیا۔ میرا خیال ہے کہ کہیں آس پاس اسلامی لشکر موجود ہے ۔۔ جو جہاد کی غرض سے اپنے وطن سے نکلا ہے اور پھر ان پہاڑوں کی گود میں مجاہدین اسلام کے سوا کون ہے جو اذان دے ۔ یوں لگتا ہے جیسے ہماری بیتاب آرزوؤں کا سراغ ملنے والا ہے ۔ تینوں بھائی نماز سے فارغ ہو کر لشکر کی تلاش میں نکلے ۔ چاندنی رات تھی۔ اس لئے لشکر ڈھونڈنے میں انہیں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور جلد ہی ان کی ملاقات اسلامی لشکر کے چند سپاہیوں سے ہوگئی۔

لشکرِ اسلام کے سپاہیوں نے تینوں بھائیوں سے پوچھا کہ تم کون ہو، کہاں سے آرہے ہوں، اور کہاں جانا چاہتے ہو، بڑے بھائی نے کہا ہم لوگ ملک شام کے رہنے والے ہیں۔ اور ہماری منزل راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہونا ہے ۔ ہم اپنی منزل کی تلاش میں گھوم رہے ہیں۔ کہ کہیں ہمیں کوئی اسلامی لشکر مل جائے تاکہ ہماری خواہش پوری ہو سکے ۔ اسلامی لشکر کے سپاہیوں نے تینوں بھائیوں کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ ہمارا تعلق اسلامی لشکر سے ہے اگر آپ ہمارے لشکر میں شامل ہو کر جہاد کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔

سپاہیوں کی زبان سے یہ خبر سن کر تینوں بھائی خوشی سے جھوم اٹھے اور ان کے ساتھ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے ۔ روم کی سرحد پر عیسائی قوم چاروں طرف سے امنڈ کر جمع ہوگئی تھی تاکہ دین اسلام کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ کر سکے ۔ اسلامی لشکر ان کے مذموم مقصد کو خاک میں ملانے کے لئے جہاد کی غرض سے نکلا تھا اور صحراؤں، دریاؤں، اور پہاڑوں کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اسلامی لشکر کے جلال و ہیبت سے دھرتی کا سینہ بھی کانپ رہا تھا۔ کیونکہ آج کائنات کی سب سے بڑی طاقت حرکت میں آچکی تھی۔ اور مسلمانوں کی غیرت

نے ایک ایسی انگڑائی لی تھی کہ بڑے بڑے سورماؤں کے دل بھی دہل رہے تھے روم کی سرحد کا فاصلہ جب قریب آگیا تو دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے اور ان کی جنگی تیاریوں کی خبر حاصل کرنے کے لئے چند مجاہدین پر مشتمل ایک دستہ تیار کیا جس میں یہ تینوں بھائی بھی شامل تھے۔

یہ چھوٹا سا دستہ پہاڑوں اور بیابان جنگلوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک ہی رومیوں کے لشکر سے ٹکراؤ ہوگیا۔ دونوں طرف سے تلواریں بے نیام ہوگئیں۔ مٹھی بھر مجاہدین کا یہ دستہ ٹڈی دل رومیوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ تینوں بھائی بجلی کی مانند دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا پیچھے سے کسی نے کمند پھینک کر انھیں گرفتار کرلیا اور بادشاہ روم کے دربار میں پیش کردیا۔

اسلامی لشکر کے اس چھوٹے سے معرکہ سے رومی فوجیوں پر ایسی دھاک بیٹھی کہ انہوں نے جنگ کا ارادہ ملتوی کردیا بالآخر اسلامی لشکر کو کئی ہفتے بعد حجاز کی طرف واپس لوٹنا پڑا۔

آج بادشاہ روم کے دربار میں تینوں بھائی قیدی کی حیثیت سے حاضر ہیں اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ رومی بادشاہ نے گرجدار آواز سے ان سے کہا تمہارے جرم کی سزا سوائے موت کے اور کچھ نہیں لیکن مجھے تمھارے حسین اور خوبصورت چہروں اور اٹھتی ہوئی جوانیوں کو دیکھ کر بڑا رحم آرہا ہے۔ اگر تم لوگ اپنا مذہب تبدیل کردو اور عیسائیت کو قبول کرلو تو تمھاری جان بخش دی جائے گی اور اس کے علاوہ شاہی دربار کا بڑے سے بڑا اعزاز بھی تمھیں دیا جائے گا۔

اسلام کے غیور مجاہدوں نے جواب دیا۔ اے بادشاہ جس موت کی تونے ہمیں دھمکی دی ہے شاید تم نہیں جانتے کہ اس کی تلاش میں نکلے ہوئے ہمیں ایک عرصہ بیت گیا ہے۔ مال و دولت کا لالچ دے کر تم ہم سے ہمارا دین ہرگز نہیں

لے سکتے ۔ ہمارے نزدیک قافلہ حیات کی منزل تختِ سلطانی نہیں ہماری امنگوں کا مرکز تو صرف و صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے ۔

اس عالمِ فانی سے عالمِ جاویداں کی طرف جانے کے لئے بالکل تیار کھڑے ہیں تم اپنے جلادوں کو حکم دو کہ وہ اپنی تلواریں اٹھائیں اور اپنا کام کریں ہمارے لئے تلواروں کی چھاؤں سے جنت کا فاصلہ بس ایک قدم ہے ۔

مجاہدین اسلام کے اس جرات مندانہ جواب سے دربار میں سناٹا چھا گیا اور رومی بادشاہ فرطِ غضب میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا گستاخ تم نے اپنی زبان کھول کر اپنی موت کو آواز دی ہے ۔ تو پھر تیار ہوجاؤ فولاد کی زنجیروں میں بھی تمہاری حق پرستی کا غرور کم نہیں ہوا۔ تلواریں معزز با عزت بہادروں پر اٹھائی جاتی ہیں تم جیسے بے ادبوں کے لئے تلوار ہرگز استعمال نہیں کی جاسکتی بلکہ تمہاری سزا بھڑکتی ہوئی آگ ہے ۔ بادشاہ نے غصے سے کانپتے ہوئے جلادوں کو حکم دیا کہ دہکتی ہوئی آگ پر تیل سے بھرا ہوا کڑھاؤ چڑھا دیا جائے اور ابلتے ہوئے تیل میں ان تینوں کو جھونک دیا جائے ۔ حکم کی تعمیل ہوئی ایک کھلے میدان میں آگ پر تیل کا چشمہ ابل رہا ہے مجاہدین اسلام کا انجام دیکھنے کے لئے درباریوں کی کرسیاں مقتل کے سامنے لگی ہوئی ہیں زنجیروں میں جکڑے ہوئے تینوں بھائی سامنے کھڑے ہیں قیامت خیز طغیانی کی طرح تیل کا چشمہ پھوٹ پھوٹ کر ابل رہا تھا۔

سب سے پہلے جلادوں نے بڑے بھائی کی گردن میں رسی کا پھندا ڈالا۔ بادشاہ نے اشارہ کیا جیسے ہی حکم ملا بڑے بھائی کو جلاد نے رسی کے ذریعے کھینچا، دونوں چھوٹے بھائی چیخ اٹھے پہلے ہمیں آگ میں ڈالا جائے ۔

بڑے بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا صبر کا دامن ہرگز مت چھوڑنا تیل کے قریب ہی چشمۂ کوثر ہمارا منتظر ہے ۔ وہاں پہنچنے کے لئے صرف ایک غوطہ کافی ہے میں حوضِ کوثر پر تمہارا انتظار کروں گا۔ رسی کھینچ دی گئی دینِ اسلام کا ایک

سرفروش ابلتے ہوئے تیل کی طرف بڑھنے لگا آتش فشاں کی طرح کھولتے ہوئے تیل کا فاصلہ قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔

اچانک فضا میں کلمۂ شہادت کی صدا گونجی اور دینِ اسلام کے اس سرفروش نے یا محمدؐ کا ایک پرجوش نعرہ بلند کیا۔ چھوٹے بھائیوں سے یہ ہولناک منظر نہ دیکھا گیا انہوں نے فرطِ غم سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور بے خودی کے عالم میں اپنے بھائی کو الوداع کہا اے بھائی حوضِ کوثر پر ہمیں نہ بھلانا جب آنکھ کھول کر دیکھا تو منزل عشق کا پہلا مسافر اپنی منزل کو پہنچ چکا تھا۔ فرشتے اس کی مقدس روح کو عالم بالا کی طرف لے جا چکے تھے کچھ ہی دیر کے بعد دوسرا بھائی بھی یا محمد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی سے جا ملا، اب صرف چھوٹا بھائی رہ گیا تھا۔

یہ نوجوان مجاہد حسن و جمال کا پیکر تھا جس کا دمکتا ہوا چہرہ جو بھی دیکھے دیکھتا رہ جائے۔

جلاد نے اس کی گردن میں بھی رسی ڈال دی وہ اسے کھینچنا ہی چاہتا تھا کہ وزیر نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا اے بادشاہ یہ نوجوان اب تنہا رہ گیا ہے یہ شکل و صورت سے عیار و چالاک معلوم نہیں ہوتا۔ اسے بآسانی عیسائی بنایا جا سکتا ہے۔ آپ اسے میرے حوالے کر دیں مجھے امید ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر اسے اسلام سے منحرف کر دوں گا۔ بادشاہ نے وزیر کی درخواست قبول کر لی۔ نوجوان کے گلے سے پھندا نکال دیا گیا۔ اور وزیر اسے اپنے محل میں لے گیا۔ اور ایک پر تکلف اور آرام دہ کمرے میں ٹھہرا دیا۔ کچھ دیر کے بعد وزیر کی بیٹی باپ کی خدمت میں حاضر ہوئی وزیر نے بیٹی کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔ میری پیاری بیٹی آج میں نے سنگین قدم اٹھایا ہے مجھے تم سے امید ہے کہ تم میری زبان کا بھرم رکھ لو گی۔ شہزادی نے کہا، آپ کا حکم سر آنکھوں پر یہ کنیز جان دے کر بھی، اپنا فرض پورا کرے گی۔ حکم دیجئے میرے لائق کیا خدمت ہے۔

وزیر نے کہا "میں عرب نوجوان کو اپنے محل میں لے آیا ہوں۔ اور بادشاہ سے یہ وعدہ کر کے لایا ہوں کہ چالیس دن کے اندر اندر اسے اسلام سے منحرف کردوں گا اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور اپنا وعدہ پورا کر کے اس مسلمان کو عیسائی بنادیا تو پورے روم پر میرے حسن تدبّر کا سکہ بیٹھ جائے گا۔ تمھیں اپنے حسن و جمال سے اس نوجوان کو اپنا گرویدہ بنانا ہے"۔ شہزادی نے کہا ابا حضور چالیس دن کی مہلت بہت زیادہ ہے اور اسے دام فریب میں لانا میرے لئے چند لمحوں کی بات ہے۔ تعجب ہے کہ آپ ایک معمولی سی بات کے لئے اتنے فکر مند ہو رہے ہیں۔

رات ڈھل چکی تھی، سارا محل نیند کی آغوش میں تھا اس وقت روم کی سب سے حسین و جمیل دوشیزہ، وزیر کی بیٹی بڑی خاموشی سے اٹھی خوشنما کپڑے زیب تن کئے اور بھرپور ساحرانہ اداؤں کے ساتھ نوجوان مجاہد کے کمرے میں داخل ہوئی اس نے دیکھا کہ نوجوان اپنی پیشانی سجدے میں جھکائے زاروقطار رو رہا ہے۔ اور اپنے رب سے مناجات کر رہا ہے۔

شہزادی اِس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کر رہی ہے۔ مگر نوجوان کی گریہ وزاری میں کمی پیدا نہیں ہو رہی۔ اپنی اداؤں سے قیامت برپا کردینے والی شہزادی اس نوجوان کو سجدے سے نہ اٹھا سکی، حتی کہ دن نمودار ہوگیا۔ جلوۂ حسن کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ ماتھے پہ بل ڈالے بڑی خاموشی کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں آگئی، دوسری رات پھر قیامت کی ادئیں اپنے جلوؤں میں لئے وہ وزیر زادی مجاہدِ اسلام کے کمرے میں داخل ہوئی آج نوجوان حالت نماز میں مشغول تھا۔ اور ساری رات عبادت الہٰی میں مصروف رہا۔ اس طرح چالیس دن گزر گئے اس دوران لڑکی سے بات کرنا تو درکنار اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا وہ ہر وقت اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتا۔ چالیس دن کی معیاد ختم ہوگئی۔

وزیر کی بیٹی تمام تر حشر سامانیوں کے' نوجوان کو اپنا گرویدہ نہ بنا سکی آخر بادشاہ سے وزیر نے چالیس دن کی اور مہلت طلب کرلی۔

چالیس دن کی دوسری مہلت کا آغاز ہوا۔ روم کی شہزادی اپنے حسن و جمال کا جادو جگا کر نوجوان کے کمرے میں آتی رہی لیکن ہر مرتبہ اسے مسلمان مجاہد عالم اِستغراق میں ملتا۔ یہ حقیقت ہے کہ بناوٹ کی نمائش حقیقت کے سامنے کامیاب نہیں ہوسکتی حسنِ بے نقاب کا ساحرانہ جادو کا طلسم ٹوٹ کر پارہ پارہ ہوگیا آج کی رات گزشتہ راتوں سے یکسر مختلف تھی نوجوان اپنے رب کے حضور رورو کر دعا میں مشغول تھا۔ آج روم کی شہزادی اسلام کے شہزادے کے سامنے شکستہ حال کھڑی تھی۔ اسلام کی حقانیت کا سکہ اس کے دل پر بیٹھ گیا اور اس کے دل کی دنیا کا عالم بدل گیا۔شوق میں ڈوبی ہوئی پہلی آواز اس نے اپنے منہ سے نکالی اے پاک دامن نوجوان،میں تیرے مذہب کو قبول کرتی ہوں، جس مذہب نے تمھیں فرشتوں جیسا تقدس عطا کیا جو دنیا میں صرف اور صرف اپنی سچائی کی وجہ سے پھیلا میں اس عیسائی مذہب پر لعنت بھیجتی ہوں جو اپنی عصمتوں کو فروخت کرکے اپنے لئے جگہ بناتا ہے ۔ جو مال وزر کی رشوت دے کر لوگوں کو خریدتا ہے۔ شہزادی یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

مسلمان نوجوان نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا تو اس کے چہرے پر سچائی اور خلوص کے آثار نمایاں طور پر نظر آئے وہ شکستہ دل نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ نوجوان نے اس کے سامنے پہلی بار اپنی زبان سے کہا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے کلمۂ طیبہ پڑھ لو۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

وزیر زادی نے نوجوان کے کہنے پر کلمہ پڑھا اور مشرف با اسلام ہوگئی مسلمان ہو جانے کے بعد لڑکی نے نوجوان سے کہا اب اس جگہ ہمارے لئے رہنا ضروری نہیں ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ نوجوان نے کہا ضرور مگر اس شرط پر کہ تم

دوران سفر مکمل طور پر پردہ میں رہوگی اور میرے آگے نہیں پیچھے چلوگی۔ بات طے ہوگئی دوسری رات سارا محل نیند کی آغوش میں بدمست تھا رات کے اندھیرے میں دو گھوڑے آگئے اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑاتے ہوئے نکل گئے ۔ دونوں مسلسل سفر کرتے رہے ۔ رات تیزی سے سفر کرتی ہوئی سحر کی جانب بڑھتی گئی حتیٰ کہ دن کا اجالا نموار ہوا۔

وہ محل سے بہت دور جا نکلے تھے کہ اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ نوجوان نے اپنی تلوار میان سے باہر نکال لی۔ لڑکی نے گھبراتے ہوئے کہا یوں لگتا ہے کہ دشمن ہمارے پیچھے آچکے ہیں، نوجوان نے تسلی دیتے ہوئے کہا گھبراؤ نہیں، میری تلوار ان سب کے لئے کافی ہے۔

آواز کسی پہاڑی کے پیچھے سے آرہی تھی۔--- جونہی انہوں نے پہاڑی عبور کی نوجوان مجاہد کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکلی بھائی جان آپ، وہ محو حیرت سے اپنے بھائیوں کو دیکھنے لگا آپ کو تو کئی ہفتے پہلے میری آنکھوں کے سامنے تیل کے کھولتے ہوئے کڑھاؤ میں زندہ ڈال دیا تھا۔ عالم برزخ میں پہنچ جانے والے کیا زندوں کی طرح ہماری دنیا میں واپس آسکتے ہیں؟۔

بڑے بھائی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیوں نہیں، شہیدوں کا حال عام مرنے والوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے ۔ وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں" بڑے بھائی نے گفتگو کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو یہ خوشخبری بھی سنائی کہ عالم بالا میں تمہاری پاکدامنی کی دھوم مچی ہوئی ہے اور سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ تمہارا نکاح اس نوجوان مسلم وزیر زادی سے کرادیں۔ وزیر زادی خاموش کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ شہید ہونے والوں کو اس طرح زندہ دیکھ کر اسے اسلام کی حقانیت کا اور یقین ہوگیا۔ کچھ دیر کے بعد ان دونوں کا نکاح شہید بھائیوں نے پڑھایا اور ان پر جنت کے پھول نچھاور کئے اور

مبارکباد دیتے ہوئے عالم بالا کی طرف پرواز کر گئے۔

(ملاحظہ ہو --- شرح الصدور صفحہ ۹۰)

اوپر دیئے گئے ان ایمان افروز واقعات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں اور وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں تصرف فرماتے ہیں جب شہداء کا یہ حال ہے تو اولیاء کرام، صحابہ کرام اور انبیاء کرام جن کا مرتبہ شہداء سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے تو ان کے مرتبے کا کیا عالم ہوگا۔

حضرت امام مالک موطا میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جنگ احد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبد اللہ بن جبیر کی قبر سیلاب کی وجہ سے جب کھل گئیں تو آپ کے جسم مبارک یوں تر و تازہ اور شگفتہ و شاداب پائے گئے جیسے انہیں کل ہی دفن کیا گیا ہے۔

علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ ۴۶ سال بعد شہدائے احد کی قبروں سے جب ان کے جسموں کو نکالا گیا تو ان کے بدن پھول کے غنچوں کی طرح ترو تازہ تھے اور کفن میلے بھی نہ ہوئے تھے لوگ کہتے تھے گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہے بعض شہداء کو دیکھا گیا کہ ان کے ہاتھ اپنے زخموں پر رکھے ہوئے ہیں جب ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو نیچے سے تازہ خون نکلتا تھا اور ان کا ہاتھ چھوڑ دیتے تو وہ ہاتھ خود بخود زخموں پر پہنچ جاتا تھا۔

(ملاحظہ ہو جذب القلوب صفحہ ۱۹۴)

بغداد سے ۴۰ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے جس کا پرانا نام مدائن تھا جہاں اکثر صحابہ کرام گورنری کے عہدے پر فائز رہے اس قصبے کا موجودہ نام قصبہ سلمان ہے۔ اسی قصبہ میں صحابیٔ رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔ قصبہ سلمان سے دو فرلانگ کے فاصلے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابہ حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ کے مزارات ایک غیر

آباد جگہ پر واقع تھے۔

آج سے پینسٹھ سال پہلے یعنی ۱۹۳۲ء کی بات ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں شاہِ عراق سے فرمایا۔ "میرے مزار میں دریائے دجلہ کا پانی آگیا ہے اور حضرت جابر کے مزار میں نمی شروع ہوگئی ہے۔ ہم دونوں کو موجودہ مزارات سے منتقل کرکے دریائے دجلہ سے دور دفن کردیا جائے"۔ شاہِ عراق مسلسل دو راتوں تک یہ خواب دیکھتے رہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفتی عراق کو بھی خواب میں یہ ہدایت فرمائی۔ مفتیٔ اعظم عراق وزیرِ اعظم کے ہمراہ شاہِ عراق کے پاس گئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ شاہِ عراق نے کہا بخدا میں بھی دو راتوں سے یہ خواب دیکھ رہا ہوں، اگر آپ مزارات منتقل کرنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں، مفتیٔ اعظم عراق نے مزارات کھولنے اور مقدس لاشوں کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا فتویٰ دے دیا۔

چنانچہ فتویٰ اور شاہی فرمان دونوں اخبارات میں شائع کردیئے گئے۔ عراقی اخبارات میں اس خبر کا چھپنا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو پوری دنیا میں پہنچادیا۔ اتفاق کی بات کہ انہی دنوں حج کے ایام بھی شروع ہوگئے۔ دنیا بھر کے مسلمان حج کی سعادت حاصل کرنے حرمین شریفین میں جمع ہونے لگے۔ انہوں نے شاہِ عراق سے درخواست کی کہ مزاراتِ مقدسہ حج کے بعد کھولے جائیں تاکہ حج کو آنے والے مسلمان اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ اس طرح ہندوستان، مصر، افریقہ، شام، لبنان، حجاز، فلسطین، اور دنیا کے کونے کونے سے شاہ عراق کے نام خط بھیجے گئے چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کے پر زور مطالبہ پر یہ اعلان کیا گیا کہ مزارات حج کے دس دن بعد کھولے جائیں گے۔

ٹھیک حج کے دس دن بعد، لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں دونوں مزارات

کھولے گئے، لاکھوں افراد نے اس منظر کو دیکھا کہ واقعی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار میں دریائے دجلہ کا پانی داخل ہوچکا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے مزار میں نمی پیدا ہوچکی ہے۔ تمام ممالک کے سفراء، عراقی حکومت کے تمام ارکان، شاہِ عراق اور لاکھوں حجاج کرام کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جسمِ اطہر کو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ کرین کے ذریعے قبر کے اندر سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ نعش کرین کے ساتھ رکھے ہوئے اسٹریچر پر خود بخود آگئی۔ پھر نعش مبارک شیشے کے تابوت میں رکھ دی گئی۔ اس کے بعد اِسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کو ادب و احترام کے ساتھ کرین کے ذریعے قبر سے نکالا گیا۔ شاہِ عراق، مفتیٔ اعظم عراق، ولی عہد مصر، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور دیگر سر براہوں نے کندھا دے کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب ہی ان دونوں صحابہ کو دفنا دیا۔

مسلمانو! آپ کو جان کر یہ حیرت ہوگی کہ تیرہ سو سال پہلے دفنائی گئی ان نعشوں کو جب نکالا گیا تو انہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہر گز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال پہلے کی نعشیں ہیں۔ نعش پاک کے کفن اور ڈاڑھی مبارک کے بال تک صحیح حالت میں تھے ۔ یوں لگتا تھا کہ انہیں دو تین گھنٹے پہلے ہی دفنایا گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں بہت سے لوگوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھوں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی آنکھوں کی نورانیت اتنی زیادہ تھی کہ لوگ اپنی آنکھیں نہ ملا سکے ۔ ظاہر ہے جن آنکھوں نے اللہ کے رسول کی زیارت کی ہو، کون ہے جو ان آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے ۔

دنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹر یہ منظر دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ جرمن ڈاکٹر اسلام کی اس جیتی جاگتی حقیقت کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے مفتیٔ اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور

صحابہ کرام کی بزرگی کا اس واقعہ سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے لہذا میں مسلمان ہوتا ہوں۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس واقعہ کی دھوم پوری دنیا میں مچ گئی بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان مسلمان ہونے لگے ۔ یہ تاریخی واقعہ اگلے زمانے میں رونما نہیں ہوا بلکہ ہمارے ہی زمانے کا واقعہ ہے ۔ اس واقعہ کو ہر مذہب ہر ملک کے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ دنیا بھر کے اخباروں نے اس واقعہ کو شائع کیا۔

مسلمانو ! اب میں آپ کی خدمت میں ایسا واقعہ پیش کرتا ہوں جو اس سے پہلے شاید آپ نے کسی کتاب میں نہ پڑھا ہو۔

گزشتہ دنوں میری ملاقات ایک بزرگ حضرت الشیخ حافظ محمد عبدالواحد مدنی المعروف عبد المصطفی مدظلہ عالی سے ہوئی۔ آپ مدینہ منورہ میں بلدیہ کے نائب مدیر اعلی کے سرکاری عہدے دار تھے ۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اہم واقعہ مجھے سنایا اور تحریری طور پر لکھ کر بھی دیا جو میری فائل میں موجود ہے ۔ وہ واقعہ کیا ہے ۔ آیئے انہی سے سنتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

1978ء میں مسجد نبوی کی توسیع کی اسکیم کی ابتداء ہوئی۔ مسجد نبوی کی مغربی سمت میں کچھ فاصلے پر ایک محلہ تھا۔ حکومت سعودیہ نے اس آبادی کے مکینوں کو محلہ خالی کر دینے کا حکم دیا تاکہ ان کے مکانات کو گرا کر مسجد نبوی کو وسیع کر دیا جائے ۔ اس وقت بلدیہ کے مدیر اعلی سلیمان صاحب تھے ۔

بستی کے تمام افراد اپنے مکانات خالی کر کے چلے گئے اُسی بستی میں ایک پرانا بوسیدہ سا مکان بھی تھا جو بند رہا کرتا۔ نقشہ طلب کیا تو معلوم ہوا کہ اس بوسیدہ مکان میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ اور دیگر سات صحابہ کرام کی قبریں ہیں حکم ہوا کہ ان قبروں کو کھود کر رات کی تاریکی میں جنت البقیع میں دفنا دیا جائے۔

چنانچہ میں اپنے عملے کے ہمراہ رات کی تاریکی میں اس بوسیدہ مکان میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی قبر کو کھودا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کا جسدِ عنصری بر آمد ہوا موٹا سفید خوشبو دار کفن تھا۔ آپ کا جسد مبارک خوشبو سے معطر تھا اور مہک بے انتہا تھی۔ اُس وقت میرے اور مدیر اعلیٰ کے علاوہ اور بہت سے افراد موجود تھے۔ جنھیں فوراً دور کر دیا گیا۔ صرف چند مزدوروں کو قریب رکھا۔ رئیس المدینہ جناب محسن صاحب مرحوم کو اطلاع دی گئی، وہ فوراً تشریف لے آئے، اور انہوں نے بھی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے چہرۂ اقدس کی زیارت کی۔ اُس وقت زیارت کرنے والوں میں ترکی، سوڈانی، پاکستانی، نائجیریا، اور ہندوستان سے تعلق رکھنے والے احباب بھی موجود تھے۔ میں نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ اقدس کو بڑی اچھی طرح دیکھا، بڑا ہی حسین چہرہ، ماتھے پر سیاہ رنگ کا ہلکا سا نشان تھا۔ نبض کی جگہ ہاتھ رکھ کر دیکھا اور زور دیا تو خون ہٹ گیا۔ سفید نشان پڑ گیا ہاتھ ہٹانے پر خون پھر ہاتھ میں دوڑنے لگا۔ پھر دیگر سات قبریں بھی کھودی گئیں۔ تو ان میں سات صحابہ کرام کے اجسام مقدسہ بالکل صحیح حالت میں ملے ان اصحاب کرام میں ایک حضرت مالک بن سنان یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ باقی

کے بارے میں نام معلوم نہ ہو سکے۔ خوشبو تمام اجسام سے آرہی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی غسل فرما کر آرام کرنے کے لئے لٹایا گیا ہے۔ تمام کے کفن میلے تک نہیں ہوئے تھے۔ پھر راتوں رات ان مقدس ہستیوں کو جنت البقیع میں منتقل کر دیا۔ میں اس پوری کاروائی میں شامل تھا۔ اور جو کچھ بھی میں نے ذکر کیا ہے خدا گواہ ہے از روے ایمان سچ کہا ہے، جھوٹ بول کر اپنی آخرت ہر گز برباد نہیں کر سکتا۔

حضرت قبلہ عبد الواحد مدنی القادری کے مذکورہ بالا حلفیہ بیان سے بھی یہی واضح ہوا کہ محبوبانِ خدا مرنے کے بعد بھی صحیح سلامت ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں نازل ہوں کہ جو پندرہ سو برس کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی صحیح سلامت رہے اور ان کے جسم سے خوشبو کے جھونکے آتے رہے۔ اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ صاحب ایمان نہیں تھے اور ان کا انتقال ایمان پر نہیں ہوا تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اسی واقعہ کی تصدیق پاکستانی اخبارات نے بھی کی ہے۔ (ملاحظہ ہو روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ امروز لاہور بتاریخ 78 - 1 - 21)

ایک امتی کی برزخی کا جب یہ عالم ہے تو نبی کی برزخی کا کیا عالم ہوگا۔ جب امتی زندہ تو نبی بدرجہ اولی زندہ ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے پر قرآن مجید کی یہی ایک آیت کافی ہے۔ جس میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا۔

انا ارسلنک شاھد (سورہ فتح 8)

ترجمہ: بے شک ہم نے بھیجا آپ کو گواہ بنا کر۔

اس آیت کریمہ میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نیک اعمال اور برے اعمال دونوں کی گواہی دیں گے ۔ ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر گواہی دیں گے اور سابقہ انبیاء کے بارے میں بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ قرآن مجید کی اس ایک آیت کریمہ ہی سے واضح ہوجاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ گواہی بھی وہی دے سکتا ہے جو زندہ ہو، جو مردہ ہو وہ ہرگز گواہی نہیں دے سکتا۔

جس کا اس بات پر ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے گواہ ہیں

ان ضمیر فروش انسانوں کی تاریخ ساز داستان جنھوں نے اپنے نفس کی پیروی کرکے احکامات خداوندی کی کھلی مخالفت کی۔ ایسی ایمان افروز داستان جسے آپ مدتوں فراموش نہ کرسکیں گے۔

"ضمیر کے سوداگر"

کا ضرور مطالعہ کیجئے

تحریر محمد نجم مصطفائی

تو اس کو اس بات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

فنبی اللہ حی   اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۱)

غیر مقلد وہابیوں کے امام ابن قیم انبیاء کرام کے زندہ ہونے کے ثبوت میں فرماتے ہیں "شبِ معراج بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات انبیاء کرام سے ہوئی۔ اسی سفرِ معراج میں مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء سے ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو بار بار ملاقات اور نمازوں کی تعداد پچاس سے گھٹا کر پانچ کروانے کا واقعہ ہر خاص و عام کے علم میں ہے" ان دلائل کے بعد ابن قیم فرماتے ہیں مذکورہ دلائل سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کا فقط یہ مطلب ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہوگئے ہیں ہم ان کو نہیں پاسکتے حالانکہ وہ زندہ موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الروح ص ۴۳)

ابنِ قیم کی مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری بے بصیرت نگاہیں انھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ مُلّا علی قاری فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے تمام اجزا سلامت رہتے ہیں ان کے دونوں حالوں (موت و زندگی) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۱)

آج سے تقریباً نو سو سال پہلے ۵۵۷ھ میں بادشاہِ وقت سلطان نور الدین زنگی نے ایک رات میں تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے قریب دو شخص کھڑے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ مجھے ان دونوں کے شر سے خلاصی دے۔ سلطان نور الدین زنگی سمجھ گئے کہ مدینہ منورہ میں کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت تیار ہوا اپنے ہمراہ بیس افراد اور

بہت سازر و جواہرات ساتھ لیا اور ملک شام سے مدینہ منورہ روانہ ہوا اور سولہ دن کے اندر مدینہ طیبہ پہنچ گیا اور آتے ہی ان دونوں افراد کے کھوج میں لگ گیا اور اعلان عام کیا کہ اہل مدینہ میں سے ہر خاص و عام انعام و اکرام حاصل کریں۔ ہر شخص نے انعام و اکرام حاصل کیا مگر وہ دو افراد حاضر نہ ہوئے۔ سلطان نور الدین زنگی نے کہا کوئی ایسا شخص تو نہیں رہ گیا جس نے انعام حاصل نہ کیا ہو۔ لوگوں نے کہا دو بڑے ہی نیک شخص ہیں جو نہایت صالح اور شب و روز اپنی جگہ پر عبادت کرتے رہتے ہیں اور اپنے حجرے سے باہر نہیں نکلتے۔ بادشاہ نے انہیں بھی حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ جیسے ہی حاضر ہوئے بادشاہ انہیں پہچان گیا کہ یہ دونوں شخص وہی ہیں جن کو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دکھایا تھا۔

بادشاہ نے کہا تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے کہا اپنے حجرے میں۔ بادشاہ ان کے حجرے میں داخل ہوا دیکھا کہ کمرے میں ایک طرف طاق پر قرآن مجید رکھا ہے اور کچھ وعظ و نصیحت کی کتابیں رکھی ہیں۔ ایک طرف مال و زر کا ڈھیر لگا ہوا ہے جو وہ مدینہ منورہ کے فقراء اور مساکین میں تقسیم کرتے تھے۔ ان کی ایک خواب گاہ بھی تھی جس میں وہ سویا کرتے تھے۔ جہاں ایک بڑی سے چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے چٹائی کو ہٹایا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ اس کے نیچے ایک سرنگ بنی ہوئی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک تک کھدتی ہوئی چلی گئی ہے۔ کمرے کے ایک طرف کنواں کھدا ہوا ہے جس میں سرنگ کی مٹی بھر دی جاتی ہے۔

بادشاہ نے ان دونوں کو گرفتار کرلیا۔ انہوں نے انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ وہ غیر مسلم نصرانی ہیں اور نصاریٰ قوم نے انہیں حاجیوں کے لباس میں کافی مال و زر دے کر بھیجا تھا کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر سرنگ کے ذریعہ حجرہ انور میں داخل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو نکال لایا جائے تاکہ نعوذ باللہ گستاخی کریں۔

ابھی ہم قبر شریف کے قریب ہی پہنچے تھے کہ زبردست دھماکہ اور زلزلہ عظیم

برپا ہوا۔ اسی رات کی صبح بادشاہِ وقت نور الدین زنگی پہنچ گیا یہ سن کر بادشاہِ وقت پر ایک رقت طاری ہوگئی اور بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوا اور زارو قطار روتا رہا۔ آخر کار ان دونوں گستاخوں کی گردنیں اڑا دیں اور روضہ رسول کے اطراف ایسی گہری بنیادیں کھودی جو پانی کی تہہ تک پہنچ گئی اور سیسہ پگھلا کر اس میں بھر دیا تاکہ قیامت تک کوئی گستاخ ایسی جرات نہ کرسکے۔

ملاحظہ کیجئے جذب القلوب شیخ عبد الحق محدث دہلوی، تاریخ مدینہ ص ۱۲۶ - ۱۲۷

تاریخ اسلام کے اس ناقابلِ فراموش واقعہ کو جان لینے کے بعد ہر انصاف پسند مسلمان اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور حالات و واقعات سے باخبر بھی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۳۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

کوئی مومن ایسا نہیں ہے کہ میں جس کے قریب نہ ہوں اس دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی۔

(بخاری شریف جلد اول ص ۱۸۳ ، مشکوہ شریف ص ۲۵ - ۲۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب انسان کو مرنے کے بعد قبر میں دفن کیاجاتا ہے تو دو فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور میت کو اٹھا کر سوال کرتے ہیں تیرا رب کون اور تیرا دین کیا ہے۔

مسلمان جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے پھر فرشتے مجھے میت کے سامنے کھڑا کر کے سوال کرتے ہیں۔

ماکنت تقول فی ھذا الرجل بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ :- یہ جو تمہارے سامنے کھڑے ہیں جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان کے متعلق تو کیا جانتا ہے؟ اور کیا اسے پہچانتا ہے پس مومن جواب دے گا۔

اشھد ان عبداللہ و رسولہ

ترجمہ : میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے مقبول بندے اور رسول ہیں۔

پھر آسمانوں سے آواز آئے گی کہ میرے بندے نے سچ کہا اور یہ اپنے امتحان میں کامیاب ہوگیا ہے اس لئے اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے ابھی سے جنت کا دروازہ کھول دو تاکہ یہ قیامت تک اسی کیف و مستی اور مسرت و راحت کے ساتھ یہاں رہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد اول ص ۱۸۳ ، مشکوۃ شریف ص ۲۵ - ۲۴)

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں ایک مسلمان پر اللہ جل مجدہ کی طرف سے انعام و اکرام کی بارش اور اپنے دامنِ رحمت میں بخشش کا سایہ صرف اس لئے کیا جارہا ہے کہ اس نے اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں پہنچنے کے بعد بھی حاضر و ناظر، موجود و گواہ اور زندہ جان کر پہچان لیا۔ دنیا کا یہ دستور ہے کہ طالب علم کو اسکول و مدرسہ میں جو سبق یاد کرنے کو دیا جاتا ہے تو وہ وہی یاد کرکے درس گاہ جاتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح دنیا میں جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو قبر میں بھی یہی عقیدہ لے کر جاتا ہے اور یہی عقیدہ قبر کے سخت ترین امتحان میں کامیابی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب کافر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال ہوگا تو وہ کہے گا لا ادری میں نہیں جانتا۔ اس کے نہ جاننے کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ اس نے دنیا میں جیتے جی کبھی یہ تسلیم نہیں کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ پھر اس کی قبر اتنی تنگ کردی جائے گی کہ اس کی ہڈیاں تک پس جائیں گی اور اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیا جائے گا تاکہ قیامت تک اب یہ

اس دردناک عذاب میں مبتلا رہے۔

اے مسلمانو! قبر کے ہولناک عذاب سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ جب تک زندہ رہیں یہی عقیدہ رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال سے باخبر ہیں اور زندہ بھی ہیں۔ یہی عقیدہ اور ایمان قبر میں نجات کا سبب بنے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں بہت سے عقل کے گھوڑے دوڑانے والے حضرات یہ بھی سوچتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ہر قبر میں حضور کیسے آسکتے ہیں۔ ان کا یہ اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر نہیں بلکہ اللہ جل مجدہ کی قدرت کاملہ پر اعتراض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ مقام اور عظمت عطا فرمائی اور اسی خدا داد قدرت کے تحت آپ ایک ہی وقت میں ہر جگہ آجاسکتے ہیں۔

غور فرمایئے کہ زمین پر بسنے والے انسان ہر روز مرتے ہیں ہر شہر ہر ملک میں ان کے جنازے اٹھتے ہیں کوئی دن کو مرتا ہے تو کوئی رات کو کوئی صبح کو مرتا ہے تو کوئی شام کو۔ اس فرشِ زمیں پر کوئی وقت کوئی گھڑی ایسی نہیں کہ کسی انسان کا انتقال نہ ہوتا ہو۔ ایک ہی وقت میں ہزارہا انسانوں کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرجاتی ہیں مگر آج تک کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ ایک ہی فرشتہ ایک ہی وقت میں دنیا بھر میں مرنے والوں کی روح کیسے قبض کرلیتا ہے۔ جب ایک فرشتے کو یہ مقام و تصرف اور اختیار حاصل ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ہر جگہ موجود ہوسکتا ہے تو کیا فرشتے سے زیادہ بلند مرتبے والے اور تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قدرت حاصل نہ ہوگی کہ وہ ہر جگہ ہر مقام اور ہر قبر میں ایک ہی وقت میں جلوہ افروز ہوسکیں؟

مسلمانو! مذکورہ بالا مختصر حقائق سے یہ واضح ہوا کہ شہداء بھی زندہ تو اولیاء کرام بھی زندہ، انبیاء کرام بھی زندہ تو ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ۔ قرآن مجید میں جہاں یہ ارشاد فرمایا گیا۔

فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع العم الدعآء اذا ولوا مدبرین

(سورہ الروم ۵۲)

ترجمہ : تم مردوں کو نہیں سناتے اور بہروں کو پکار، نا سناؤ جب وہ پیٹھ دے کر پھریں۔

اس آیت سے مراد ہرگز شہداء، اولیاء اور انبیاء نہیں بلکہ وہ کفار و مشرکین ہیں جو زندہ ہو کر بھی مردہ ہیں جن کے ضمیر مردہ، جن کے دل مردہ، جو حق سننے کو بالکل تیار نہیں۔ جو حضرات مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کو محبوبان خدا اولیاء کرام اور انبیاء کرام سے منسوب کرتے ہیں وہ غضبِ الٰہی کے مرتکب اور احکام الٰہی کے باغی ہیں۔ کفار و مشرکین کی مذمت میں نازل ہونے والی آیتِ مبارکہ کو انبیاء کرام اور اولیاء کرام سے منسوب کرنا ایمان برباد کردینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ میدانِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کے مردہ سرداروں کو نام بنام پکارا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تم (زندہ) میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے۔ غور فرمایئے جب کفار کے مردہ زندوں کی بات سن سکتے ہیں تو مومنین کے وفات یافتہ اولیاء کرام، شہداء کرام اور انبیاء کرام ہم زندوں کا سلام وقیام اور فریاد کیوں نہیں سن سکتے؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کی مردہ لاشوں کو مخاطب کرکے پکارا اور وہاں شرک و بدعت کا گزر تک نہیں ہوا تو اللہ جل مجدہ کے برگزیدہ بندوں کو ان کی وفات کے بعد پکارنا کیسے ناجائز حرام و بدعت ہوسکتا ہے۔

جنگ بدر میں گرفتار ہونے والے کفارِ مکہ جب قیدی بن کر مدینہ منورہ میں آئے تو ان کو دیکھنے کے لئے بہت بڑا مجمع جمع ہوگیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے تیرہ

سالہ مکی زندگی میں اللہ کے رسول پر عرصہ حیات تنگ کر کے رکھ دیا تھا۔ مگر ان قیدیوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رعایتیں کیں کسی قوم کی تاریخ اس رعایت و نرمی کا جواب نہیں دے سکتی۔

یہ بات پوری دنیا کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے کہ جو سلوک مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا یہ مثال کسی دوسری قوم میں ہرگز نہیں۔ آج کی بڑی بڑی مہذب قومیں اور عالم انسانیت کے علمبردار یورپ و امریکہ باوجود انسانی حقوق کی دعویدار ہونے کے ایسی مثال پیش نہیں کر سکتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قیدی دو دو چار چار کی شکل میں اپنے صحابہ کرام کی خدمت میں تقسیم کردیئے اور فرمایا انہیں آرام کے ساتھ رکھا جائے۔ صحابہ کرام نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ اگر گھر میں کھانا کم ہوتا تو قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھا کر سوجاتے۔ قیدیوں کو کپڑے سلواتے خود پھٹے پرانے پہنتے ان میں سے کسی قیدی کو قتل نہیں کیا بلکہ فدیہ دے کر رہا کردیا۔ ان میں جو لوگ غریب و نادار تھے۔ اور فدیہ نہیں دے سکتے تھے۔ انہیں بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا۔ اللہ اکبر کیا عجیب عفو و کرم ہے کہ اپنے خون کے پیاسوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جا رہا ہے۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۶۴۶)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے وہ بھی اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ جنگ بدر کے موقع پر بیس اوقیہ سونا مشرکین مکہ کی امداد کے لئے ہمراہ لائے تھے۔ جب آپ ایک قیدی کی حیثیت سے مدینہ پہنچے تو آپ سے بھی کہا گیا کہ فدیہ ادا کرو کہنے لگے میرے پاس اتنا مال نہیں کہ فدیہ ادا کرسکوں۔ اس پر حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چچا جان! وہ مال کہاں گیا جو آپ نے میری چچی ام الفضل کے ساتھ مل کر زمین میں دفن کردیا تھا۔ اور میری چچی کو کہا تھا کہ اگر میں میدان جنگ میں مارا جاؤں

تو یہ مال میرے بچوں فضل، عبد اللہ اور قثم کے حوالے کر دینا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر عباس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، محو حیرت میں پڑ گیا اور کہنے لگا آج مجھے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں کیونکہ اس بات کا علم میرے اور ام الفضل کے سوا کسی اور کو نہیں تھا اگر آپ اس واقعہ کو جانتے ہیں تو واقعی اللہ کے رسول ہیں، پھر اس واقعہ سے حضرت عباس، حضرت عقیل اور حضرت نوفل تینوں داخل اسلام ہو گئے۔

(مدراج النبوہ جلد ۲۔ صفحہ ۹۷۔ زرقانی جلد ۱۔ صفحہ ۴۴۷۔ سبل الہدی جلد ۴۔ صفحہ ۱۰۵)

جب نوفل کو قید کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ جدہ میں تمہارے جو نیزے رکھے ہیں وہ فدیہ کے طور پر دے دو ہم تمھیں آزاد کر دیں گے۔ یہ سن کر وہ ہکا بکا ہو گیا کہنے لگا اس بات کا علم میرے سوا کسی دوسرے کو نہ تھا اگر آپ کو اس راز کا علم ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، جدہ میں ان کے ایک ہزار نیزے تھے۔ وہ سب انہوں نے فدیہ دے دیئے اور مسلمان ہوئے۔ (سبل الہدی جلد چہارم صفحہ ۱۰۵)

اپنی جان بچا کر بھاگنے والوں میں قباث بن الیشم الکنانی یہودی بھی تھا۔ جس وقت وہ اپنی جان بچا کر بھاگا تو اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ "ایسا واقعہ میں نے کبھی نہ دیکھا جس میں عورتوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے"۔ یہ صدا لگاتا ہوا وہ مکہ جا پہنچا، کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد اسلام کا تصور اس کے ذہن پر نقش کرنے لگا اور دل میں خیال پیدا ہوا کیوں نہ مدینہ جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات معلوم کئے جائیں، یہ سوچ کر وہ مدینہ جا پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔

وہ شخص بھی وہاں پہنچ گیا لیکن وہ یہ نہ جان سکا کہ ان میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کون ہیں چنانچہ قباث نے سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قباث تم ہی وہ قباث ہو جس نے میدان بدر میں یہ الفاظ کہے تھے "ایسا واقعہ میں نے کبھی نہ دیکھا جس میں عورتوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب قباث نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم یہ جملہ میں نے کسی دوسرے کے سامنے نہیں کہا تھا۔ صرف میں ہی جانتا تھا۔ میں آپ کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں۔ اگر آپ رسول نہ ہوتے تو آپ کو اس بات کا علم ہرگز نہ ہوتا۔ اس طرح قباث بن الیشم بھی مسلمان ہوگیا۔

(ملاحظہ ہو شواہد النبوۃ)

اہل مکہ کو جیسے ہی اپنے عزیز و اقارب کے قتل ہوجانے کی اطلاح ملی تو ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی ہر طرف سے گریہ و زاری، آہ و فغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جگر سوز چیخ و پکار نے مکہ مکرمہ کی ساری فضا کو سوگوار بنا کر رکھ دیا عورتوں نے اپنے سر کے بال تک منڈھوا دیئے۔ سینہ کوبی کرتیں۔ منہ پر طمانچے مارتیں، اور اپنا گریبان تک پھاڑ دیتیں، اور یہ شرمناک سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔

(سبل الہدیٰ جلد ۴۔ صفحہ ۱۰۳)

عمیر بن وہب کی اہمیت مکہ کے بت پرست معاشرہ میں بہت اہم تھی۔ میدان بدر میں سب سے پہلے جنگ کی ابتداء اسی نے کی تھی۔ جب مشرکین مکہ کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تو یہ میدان جنگ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ پہنچ گیا اس کے بیٹے کو مسلمانوں نے جنگی قیدی بنا لیا۔ عمیر بن وہب کی دوستی صفوان بن امیہ سے تھی۔ صفوان کے باپ امیہ بن خلف اور بھائی اور چچا کو مسلمانوں نے ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا۔ دونوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ایک دن عمیر اور صفوان حطیم کعبہ میں بیٹھ کر آنسو بہا رہے تھے صفوان کہنے لگا اے عمیر میرا باپ بھائی، اور مکہ کے بڑے بڑے سردار جس طرح میدان بدر

میں قتل ہوئے ہیں انہیں یاد کر کے دل پاش پاش ہو رہا ہے ۔ اب زندگی میں کوئی مزہ نہیں رہا۔

عمیر نے کہا اے صفوان تم سچ کہتے ہوں میرے سینے میں بھی انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے ۔ میرا بیٹا مسلمانوں کی قید میں ہے خدا کی قسم اگر میں قرضدار نہ ہوتا اور بیوی بچوں کی فکر سے دوچار نہ ہوتا تو اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ روانہ ہو جاتا اور چشم زدن میں دھوکہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے فرار ہو جاتا اس طرح آتش انتقام کو ٹھنڈا کرتا جو میرے اور تیرے بلکہ سارے اہل مکہ کے دلوں میں بھڑک رہی ہے ۔

اگر میں وہاں جاؤں اور مارا جاؤں تو لوگ یہی کہیں گے کہ قرضہ سے بچنے کے لئے اس نے جان بوجھ کر اس خطرہ میں چھلانگ لگائی ہے ۔ صفوان کے دل میں اپنے باپ، بھائی اور چچا کے قتل کے باعث ایک آگ سی لگی ہوئی تھی کہنے لگا اے عمیر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس مہم کو سر کرنے میں اگر تیرے ساتھ کوئی معاملہ پیش آیا تو تیرا سارا قرض میں ادا کروں گا۔ اور جب تک میں زندہ ہوں تیرے بیوی بچوں کے جملہ اخراجات کو برداشت کروں گا۔ تم ان باتوں کی بالکل فکر نہ کرو۔

اگر تم نے ایسا کر دیا تو پوری قوم تمھاری شکر گزار ہوگی دونوں کے درمیان معاہدہ طے ہو گیا۔ صفوان، عمیر کے لئے زاد سفر تیار کرنے لگا۔ اس نے اسے تلوار دی جس کی دھار کو خوب تیر کر دیا گیا تھا اور اسے کئی بار زہر میں بجھا یا گیا۔ عمیر اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ جا پہنچا بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا اونٹ مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بٹھا دیا۔ تلوار کو گلے میں لٹکایا اور مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے صحابہ کرام کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے ۔ اچانک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس پر پڑی اور فرمایا۔ قریش کا یہ شیطان کسی اچھی نیت سے یہاں نہیں آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے

پکڑلیا اور گردن پکڑ کر بارگاہ رسالت میں لے گیا۔

حضور صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عمیر کیسے آنا ہوا۔ کہنے لگا میں اپنے قیدی بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں۔ تاکہ میں اس کا فدیہ ادا کروں اور اسے آزاد کراؤں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے گلے میں جو تلوار لٹک رہی ہے اس کی تمھیں کیا ضرورت تھی۔ اپنے مذموم ارادے پر پردہ ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

"ان تلواروں کا ستیاناس ہو ان تلواروں نے ہمیں کونسا پہلے فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ تلوار فولاد کی نہیں بلکہ لکڑی کی بنی ہوئی ہیں جنھوں نے ہمیں معرکہ بدر میں دھوکا دیا تھا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ سچ بتاؤ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے پھر جھوٹ دہرایا کہ اپنے بیٹے کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔ لیکن حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اس کا راز فاش کردیا کہ تم نے صفوان بن امیہ کے ساتھ حطیم کعبہ میں بیٹھ کر کیا شرطیں طے کیں۔ اب وہ گھبرایا کہنے لگا میں نے صفوان کے ساتھ کیا شرطیں طے کی ہوں گی۔ حضور صلیٰ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تم نے مجھے قتل کرنے کی اس شرط پر ذمہ داری قبول کی ہے کہ وہ تمھارے بچوں کے اخراجات کا کفیل ہوگا۔ اور تیرے قرض خواہوں کو تیرا قرض بھی ادا کرے گا۔ اے عمیر سن تیرے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے۔ تیری مجال نہیں کہ میرا بال بیکا کرسکے۔ عمیر اس راز کی بات کو سن کر سناٹے میں آگیا اس کی عیاری، چالاکی اور دانشمندی کے سارے قلعے پیوند خاک ہوگئے بے ساختہ اس کی زبان پر کلمہ شہادت جاری ہوگیا۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

عمیر بن وہب دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ہم آسمانی وحی کے بارے میں آپ کا مذاق اڑاتے تھے مگر یہ راز جس سے آج آپ نے پردہ اٹھایا ہے ہم دونوں کے سوا کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ آپ یہاں بیٹھ کر سیکڑوں میل دور وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور اللہ آپ کو اس سے آگاہ فرماتا ہے۔ تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیارے رسول ہیں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے آپ کے قدموں میں بھیج دیا۔

جب عمیر مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا تو صفوان لوگوں کو کہا کرتا تھا کہ عنقریب میں تمھیں مدینہ منورہ سے ایک خوشی کی خبر سناؤں گا۔ جو بھی شخص مدینہ سے مکہ آتا صفوان اس سے پوچھتا کہ مدینہ میں کوئی حیران کن واقعہ ہوا ہے۔ آخر ایک آنے والے نے اسے بتایا ہاں ہوا ہے عمیر مسلمان ہوگیا ہے۔ یہ سن کر اس پر بجلی سی گر پڑی، عمیر جب مکہ آیا تو اس نے تبلیغ دین کا کام بڑی تیزی سے شروع کردیا اور ان کی تبلیغ سے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔

مسلمانو! غزوہ بدر کے اس تاریخ ساز واقعہ میں جہاں بہت سے پہلو ہمارے سامنے ابھر کر آئے وہاں یہ حقیقت بھی ہمارے احاطہ علم میں اجاگر ہوئی کہ اللہ تعالی نے اپنے محبوب پیغمبر کو جہاں بے شمار خوبیوں سے نوازا وہاں آپ کو علم غیب کی دولت سے بھی نوازا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جنگ سے ایک دن پہلے کفاروں کے نام اور ان کی مقتل گاہیں بتا دیں۔

حضرت عباس کا خزانہ، حضرت نوفل کے نیزے، قبات بن الیشم کے وہ الفاظ جو جنگ بدر سے بھاگتے ہوئے اس نے اکیلے میں کہے، عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کے خفیہ معاہدہ کا انکشاف فرمایا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غیب کا علم نہ ہوتا تو ان چھپی ہوئی باتوں کا آپ ہرگز اظہار نہ فرماتے۔

ہمارا علم اور غیب کا علم یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ہمیں جو علم حاصل ہوتا

ہے وہ مدرسوں ، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر تحقیقی اداروں سے حاصل ہوتا ہے اور غیب کا علم وہ ہے جو نہ مدرسوں سے حاصل ہوتا ہے نہ اسکولوں سے، نہ کالجوں سے اور نہ کسی اور ادارے سے، یہ ایک پوشیدہ علم ہے۔ جسے قرآن مجید نے علم غیب یعنی غیب کا علم قرار دیا ہے۔

شیخ عبد القادر مغربی فرماتے ہیں۔

جو چیز انسانوں سے پوشیدہ اور مخفی ہو اور جو وہ اپنے حواس اور شعور کی قوتوں سے یا فراست و قیاس سے یا عقل کے زور سے اس تک رسائی حاصل نہ کرسکے۔ اس کو غیب کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انک انت علامہ الغیوب (مائدہ ۱۰۹)

بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔

معلوم ہوا غیب صرف اللہ جل مجدہ جانتا ہے۔ کوئی انسان خواہ ہو کتنا ذہین ہو اس کے علم و عرفان کا پیمانہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اس کے درجات و مرتبے خواہ کتنے ہی اونچے کیوں نہ ہو وہ غیب نہیں جان سکتا۔ نہ اپنے حواس سے اور نہ قوت شعور سے، نہ فراست سے۔ نہ عقل و قیاس سے سوائے اس کے جسے اللہ جل مجدہ اس نعمت غیب سے سرفراز فرمائے اور اللہ جل مجدہ اس نعمت سے کن کو سرفراز فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

علم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ احداً الامن ارتضٰی من رسول

(سورہ جن ۲۷ - ۲۶)

ترجمہ : غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ علم غیب کے دروازے ہرایرے غیرے کے لئے کھلے ہوئے نہیں بلکہ اس نعمت سے تو وہ پسندیدہ رسول سرفراز کئے جاتے ہیں

جن کو اللہ جل مجدہ چن لیتا ہے۔ اور جتنا چاہتا ہے انہیں علم غیب عطا فرما دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے

وعلم ادم الاسماء کلھا (سورہ بقرہ ۳۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

حضرت آدم علیہ السلام جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں ان کے علم غیب کی یہ شان ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سب کے سب اسماء سکھا دیئے ذرا سوچئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے جہانوں کے خلیفہ ہیں۔ ان کے علوم و معارف کا کیا عالم ہوگا۔ اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ جس نے علم غیب دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس نے علم غیب لیا وہی بہتر جان سکتے ہیں۔

غیب پر آگاہ ہونا ہر کسی کے بس و اختیار میں نہیں اور نہ ہی ہر کسی میں اس کی صلاحیت ہوسکتی ہے۔ عام لوگوں کا ذریعۂ علم تو عقلی دلائل اور ظاہری اسباب و علامات ہیں اور علم غیب پر صرف رسولوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان ہی برگزیدہ ہستیوں میں غیب پر مطلع ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے اور اولیاء کرام کو یہ نعمت حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور غلامی سے میسر ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر انہیں یہ نعمت ہرگز نہیں مل سکتی علم غیب اللہ جل مجدہ کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں کو یہ علم سکھا دیتا ہے۔ اس علم غیب کو جتنا چاہا اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب نبی کو عطا کیا اور جتنا دیا یہ اللہ جل مجدہ کے لامحدود اور غیر متناہی علم کا محدود ذرہ ہے۔

اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ جل مجدہ کے لامتناہی علم کے سامنے محدود اور بعض ہے مگر مخلوق کے علم کے مقابل ایک بیکراں سمندر ہے جس کی حدود و قیود ہم انسان متعین نہیں کرسکتے۔ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بغض و حسد کی بنا پر یہاں تک لکھ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے

انجام کا بھی علم نہ تھا (نعوذ باللہ) ان کی اپنی تنگ نظری اور تنگ دلی ہے۔
حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کا اپنے نبی کے علم کے بارے میں جو عقیدہ ہونا چاہئے وہ یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ انور کو علم غیبیہ سے بھرپور فرمایا۔ حضور کا علم نہ تو اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی بلکہ وہ محض عطائے الٰہی ہے اور اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کے علم لامتناہی کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اتنا بھی تو نہیں جتنا صحرا کے مقابلے میں ذرہ اور دریا کے مقابلے میں قطرہ۔ لیکن مخلوق کے علم کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے کہ جس کی گہرائی کا آج تک کوئی اندازہ نہ لگا سکا اور جس کے کنارے تک آج تک کسی کی رسائی نہ ہو سکی۔ جس کی وسعتوں کو، دینے والا رب جانے یا لینے والا رسول، سکھانے والے کو پتہ ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم اور تم کس گنتی میں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما (سورہ نساء ۱۱۳)

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس ذات اقدس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو اور فضل بھی تھوڑا نہیں بلکہ فضل عظیم ہو تو اس کے علوم و معارف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اللہ جل مجدہٗ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن بے پایاں علوم سے نوازا اور اسرار و معارف کے جن خزانوں سے آپ کے سینۂ اقدس کو لبریز فرمایا ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ وما ھو علی الغیب بضنین

(سورہ التکویر ۲۴) ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ علوم غیبیہ کے خزانے جو اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ نے اپنے محبوب پیغمبر کو عطا فرمائے، وہ معارف الٰہیہ جن سے ان کا سینہ معمور کیا

گویا وہ تجلیات ربانی جو ان کے قلب انور پر ہر لمحہ نازل ہوتی رہتی ہیں یہ ان کو بتانے میں بالکل بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان کے علوم و معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ہر تشنہ لب کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ دیوبندی مکتبہ فکر کے مقتدر عالم شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "یہ پیغمبر ہر قسم کے غیبوں کی خبر دیتا ہے۔ ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا"۔ (تفسیر عثمانی) پس غزوۂ بدر کے واقعات سے واضح ہو چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعطائے الٰہی غیب کا علم ہے اور اس کا انکار قرآن و حدیث کا انکار ہے جو سراسر کفر ہے۔

غزوۂ بدر نے دنیا پر یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ امت مسلمہ ایک ایسی دینی، روحانی اور نظریاتی برادری ہے کہ جس کی بنیاد نہ وطن ہے نہ خون ہے۔ نہ رنگ ہے نہ نسل ہے، نہ دولت ہے نہ اقتدار ہے، اور نہ ہی زبان ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا کہ جس نے غزوۂ بدر میں بھائی کو بھائی کے، باپ کو بیٹے کے اور چچا کو بھتیجے کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ اسلام کے رشتے نے اپنے اور بیگانے کا مفہوم ہی بدل کر رکھ دیا۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے عزیز اور قریب ترین جو رشتہ ہے وہ فقط دین اسلام کے حوالے سے ہے۔ غزوۂ بدر سے وہ حضرات بھی عبرت حاصل کریں جن کی زبانیں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے نہیں تھکتیں مگر اپنے ذاتی مفادات اور اقتدار کی خواہش میں کبھی صوبائی عصبیت کو ابھارتے ہیں تو کبھی علاقائی عصبیت کو کبھی زبان کی عصبیت کو ہوا دیتے ہیں، تو کبھی اسلامی اصولوں کے انہدام کے درپے ہوتے ہیں، کبھی اسلامی بھائی چارے اور وحدت قوم و ملت کو پارہ پارہ کرتے ہیں، تو کبھی یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید میں اپنے دین و ایمان کو گنوا بیٹھتے ہیں۔ انہیں یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اسلام میں خون اور برادری، علاقے

اور وطن کا رشتہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

جو دائرہ اسلام میں داخل ہو کر دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہو گیا اب وہ گورا ہو یا کالا، عربی ہو یا عجمی، امیر ہو یا غریب، فقیر ہو یا بادشاہ، دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو اردو بولتا ہو یا انگریزی، فارسی بولتا ہو یا عربی، سندھی ہو یا پنجابی، پٹھان ہو یا بلوچی، سب ایک قوم کے افراد ہیں، اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جس میں داخل ہو کر سلمان فارسی، بلال حبشی، صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک قوم کے افراد بن جاتے ہیں۔ مگر جب کوئی دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوتا تو وہ خواہ مکہ مکرمہ میں رہنے والا ابو جہل ہو یا ابولہب، عمرو بن الحضری ہو یا عثمان بن عبداللہ مخزومی، عتبہ ہو یا شیبہ، ولید ہو یا کوئی اور انہیں ایک قوم اور ملت ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

اپنی ملت پہ قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

مسلمانو! تاریخ کے صفحات اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کے بعد پورا عرب جو نفرتوں اور عداوتوں کی آگ میں بری طرح جھلس رہا تھا آپ کی اعلیٰ تعلیمات کی بنا پر باہم ایک ہو گیا۔ بغض و عناد کے صنم خانے جو اہل عرب کے دلوں میں جگہ بنائے ہوئے تھے پاش پاش ہو گئے۔ آقا اور غلام میں کوئی فرق باقی نہ رہا نہ کوئی عربی رہا نہ عجمی، سیاہ رہا نہ سفید، مہاجر و انصار سب بھائی بھائی بن گئے۔ جس سے ایسا پرسکون معاشرہ تشکیل پایا کہ جس کی مثال تاریخ انسانیت میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ مگر آہ! آج دور حاضرہ کے مسلمانوں نے اسلام کی ان اعلیٰ تعلیمات کو یکسر فراموش کر دیا۔ دور جہالت میں اہل عرب ایک دوسرے کو قتل کر کے جس طرح فخر کیا کرتے تھے بدنصیبی سے اسی دور جہالت کی تاریخ کو پھر دہرایا جا رہا ہے۔ آج مسلمان باہم قتل و غارت گری کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔

مسلمانو! یاد رکھو اسلام سلامتی قائم کرنے والا دین ہے اس لئے جو بھی اسلام کی راہ میں حائل ہو کر قتل و غارت گری کرے گا وہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ اسلام کے ایسے باغیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا کھلا اعلان ہے۔

ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاوہ جھنم خلدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ واعد لہ

عذابا عظیما۔ (سورہ نساء 93)

ترجمہ : اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے۔ اور اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار رکھا بڑا عذاب۔

قرآن مجید کی آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کو قتل کرنے والا جہنمی ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اگر آسمان اور زمین والے سب مل کر بھی کسی مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ سب کو آگ میں ڈال دے۔ (ملاحظہ ہو ترمذی، مشکوۃ شریف ص 319)

صحابی رسول حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور کونین حضرت محمد ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تمام گناہ بخش دے گا سوائے اس شخص کے گناہ کے جو مشرک ہو کر مرا یا اس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ (ملاحظہ ہو جامع الاصول)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا حساب چکایا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو مسند احمد)

بد نصیبی سے آج ہمارے ملک پاکستان میں چند ایسے بھی لوگ ہیں جو مسلمانوں کو قتل کرنا ایک معمولی بات سمجھے ہوئے ہیں کوئی سرکاری عہدہ و منصب اور سیاست کی بنیاد پر مسلمانوں کو قتل کر دیتا ہے تو کوئی قوم پرستی کے نام پر قتل کر دیتا ہے کوئی دولت کے زعم میں کسی غریب کو قتل کرتا ہے تو کوئی مفاد پرست اپنے مفادات کی خاطر مسلمان کا خون بہاتا ہے۔ غرض یہ کہ جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے وہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اپنے ہی مسلمان بھائی کو قتل کر دیتا ہے۔ آج ایسے ہی مفاد پرست سیاستدانوں، جاگیرداروں، قوم پرستوں، وڈیروں اور سرمایہ داروں کو جن کے دامن بے گناہ مسلمانوں کے خون ناحق سے داغدار ہوتے ہیں ہم اپنا رہنما سمجھتے ہیں۔

جس طرح اقدام قتل ایک ناقابل معافی گناہ ہے اور قاتل کی بخشش نہیں اسی طرح کسی کے قتل پر مدد کرنا اور قاتل کی مالی اخلاقی، مادی مدد کرنا بھی ناقابل معافی جرم وگناہ ہے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں ایک کلمہ سے بھی مدد کی تو وہ قیامت

میں حق تعالیٰ کی پیشی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم اور مایوس ہے۔ (ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوئم ص 498 بحوالہ مظہری)

مذکورہ بالا حقائق سے یہ بات واضح ہوا کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی مہاجر ہو یا انصار، ایرانی ہو یا افغانی ملکی ہو یا غیر ملکی کس قدر عظیم گناہ کبیرہ ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے آپس کے خون اور اموال کو اس طرح حرام کردیا ہے جس طرح تمہارے لئے آج کا یہ دن حرمت والا ہے اور تمہارا شہر مکہ معظمہ حرمت والا ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری شریف)

اس حدیث مبارکہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ مسلمان کا خون اور اس کا مال اور اس کی آبرو اس طرح عظمت اور عزت والے ہیں جس طرح حج کا دن اور مکہ معظمہ کی عزت و عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور انبیاء ﷺ کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کررہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری ہوا کتنی پاکیزہ! تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم مگر میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے ایک مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً تیری حرمت سے زیادہ ہے اس کا مال بھی اور اس کا خون بھی۔ (ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ ص 282 و سنن الترمذی شریف)

مسلمانوں کی شان و عظمت کا اندازہ لگایئے کہ ایک طرف تو بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے جو خود بھی عظمت والا ہے جس کی فضا بھی عظمت والی ہے جو روئے زمین کے مسلمانوں کا روحانی مرکز ہے جب کہ دوسری طرف مسلمانوں کی حرمت ہے جسے خانہ کعبہ کی حرمت سے زیادہ حرمت والا قرار دیا جارہا ہے۔ افسوس ہے ان بدنصیبوں اور دنیا پرستوں پر جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر چند ڈالروں کی خاطر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مسلمان بھائی کا خون بہا دیتے ہیں۔ بالخصوص پاکستان کا شہر کراچی مسلمانوں کے خون سے رنگین کیا جارہا ہے۔ چھوٹے چھوٹے ناسمجھ بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ کیا جارہا ہے۔ بوڑھے ماں باپ کے سہاروں کو موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے۔ اے اپنے دامن کو مسلمانوں کے خون سے داغدار کرنے

والو ! آخر یہ خونی کھیل کب تک کھیلتے رہو گے۔ امت رسول ﷺ کا خون کب تک بہاتے رہو گے۔ آخر تمہیں بھی موت آنی ہے۔ روز محشر خدا کی بارگاہ میں کس منہ سے حاضر ہو گے۔ حضور ﷺ کی شفاعت کیسے حاصل کرو گے۔ کیا اس وقت تمہارے نام نہاد لیڈر تمہارے کام آئیں گے۔ ؟ ہرگز نہیں :

واقعہ غزوہ بدر ہم مسلمانوں کو یہ سبق بھی دیتا ہے کہ فتح نصرت کثرت اسلحہ کی محتاج نہیں بلکہ قوت ایمانی، جذبہ جہاد اور اعلیٰ مقاصد کی مرہون منت ہے۔ جو قوم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نظر رکھ کر میدان جہاد میں نکلتی ہے کامیابی ان کے قدم چوم لیتی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حق و صداقت کی علمبردار قوم جب باطل اور طاغوتی قوتوں سے برسرپیکار ہونے کے لئے میدان عمل میں آتی ہے اور مادی اسباب کے حوالے سے جس قدر بے یار و مددگار ہوتی ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت کثرت سے اسے حاصل ہوتی ہے۔

کافر ہے تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بدر کے مقام پر ناموس اسلام کے لئے اپنی قیمتی جانیں قربان کردینے والے صحابہ کرام پر لاکھوں رحمتیں اور لاکھوں سلام ہوں کہ جن کے احسانات کے بوجھ سے قیامت تک کے مسلمانوں کی گردنیں جھکی رہیں گی۔ جو قندیلیں کفر کی تاریکیوں میں انہوں نے روشن کیں وہ قیامت تک انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو سلامتی کا راستہ دکھلاتی رہیں گی۔ جن کے خون سے ایسی درخت کی آبیاری ہوئی کہ جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کرنے والے لاتعداد انسان ہمیشہ جنہیں عقیدت کے آنسو پیش کرتے رہیں گے۔

محمد نجم مصطفائی

05 - 02 - 1997